دلیل راہ
ستمبر 2010ء شوال المکرم 1431ھ
فبای آلاء ربکما تکذبن

گناہ گاروں پر اک نظر کرم

صبا شیخ کالگری

رحمتیں ہیں تیری سب کے لئے ہم گناہ گاروں پر بھی اک نظر کرم
مبتلا حُبِ دنیا ہیں ہم ہمارے ان بے ذوق سجدوں سے درگزر کر

یوں تو شہ رگ سے قریب تو، کیوں دل سے اتنا دور ہے تو
جب ہر جگہ موجود ہے تو اس ویران بستی سے بھی تو گزر کر

کوئی اور نہیں ہوں میں وہی جنت سے نکالا ہوا بشر ہوں
برسوں سے بھٹکے ہوئے اس مسافر پر کوئی تو لطف نظر کر

زور کوئی بھی چلتا نہیں ہے لکھا نصیبوں کا بھگت رہے ہیں یہ
حال مست ہیں تیرے اہل ثروت لوگ تو تو کرم کی نظر کر

مادر شکم کے اندھیروں میں جنہیں ہر دم دیکھتا رہا ہے تو
ان بھوک و افلاس کے مارے لوگوں کی، تو ہی اب فکر کر

یہ سیاہ فام مخلوق تیری، آخر کب تک یونہی سیاہ بخت رہے گی
اور نہ ان قسمت کے ماروں کو، ہم بے حسوں کا دست نگر کر

صبا وسعت افلاک دی اس نے، ذوق پرواز بھی دی اس نے
بتا کیسے اس تک پہنچوں میں، میرے بازوں کو بال و پر کر

نعت شریف

محمد ثاقب علوی

صبحِ جمال، مہرِ درخشاں مرا نبی ﷺ
شہرِ دل و نگاہ پہ احساں مرا نبی ﷺ

دارالشفاء طیبہ میں بیمار دوستو!
ہر درد لا دوا کا ہے درماں مرا نبی ﷺ

بانٹے ہیں دشمنوں میں بھی جس نے کرم کے پھول
خلقِ عظیم کا وہ گلستاں مرا نبی ﷺ

آیا ہے لے کے راحت و آرام کا پیام
زحمت کدوں میں رحمتِ یزداں مرا نبی ﷺ

صل علی کا ورد مداوائے درد و غم
وجہ نشاطِ روح، مری جاں مرا نبی ﷺ

دیکھا ہے اہلِ فرش نے عرشِ عظیم پر
اللہ میزبان ہے مہماں مرا نبی ﷺ

میرے نبی کے دم سے ہے خوشبوئے زندگی
جانِ چمن ہے، جانِ بہاراں مرا نبی ﷺ

ثاقب مجھے بھی رحمتِ عالم پہ ناز ہے
محشر میں ہے نجات کا ساماں مرا نبی ﷺ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نجات سفینۂ رسالت ہی میں ہے

تھوڑے عرصے کی بات ہے پاکستان میں دانشور، مفکرین اور سیاسی مدبرین ہنگامہ مچاتے ہوئے تھے کہ ملک میں پانی کی کمی کا بحران پیدا ہونے والا ہے۔ وہ وقت قریب ہے کہ ہم بوند بوند پانی کے لئے ترسیں گے۔ بھارت ہمارے حصے کا پانی نگل لے گا۔ ہم تڑپ تڑپ کر اور بلک بلک کر مر جائیں گے۔ یہ سوچ کسی ذہن میں نہیں ابھر رہی تھی کہ کائنات کا ہر گوشہ، ہواؤں کا ہر جھونکا، پانی کا ہر قطرہ، ستاروں کی ہر حرکت اللہ عزّ سبحانہ کے ہاتھ میں ہے۔ کائنات پھیلائی اسی نے ہے اور وہی اسے سکیڑ رہا ہے۔ پانی گھنگھور گھٹاؤں سے برساتا وہی ہے اور زمین اسی کے حکم سے دریاؤں، سمندروں کو اپنے سینے میں جذب کر لیتی ہے۔ ماضی کے ایام و وقائع سے سبق سیکھا جا سکتا ہے۔ اصل بات یہ ہے اللہ تعالیٰ کی ہدایات اور تذکیر قبول کی جائے۔

فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا سُنَّتَ الْاَوَّلِيْنَ ۚ فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِيْلًا ﴿٤٣﴾ (فاطر:43)

"کیا وہ اس انتظار میں ہیں کہ پہلوں کا طرزِ عمل ان کے ساتھ دوہرا دیا جاتا؟ تم اللہ تعالیٰ کے طریقے میں کوئی تبدیلی نہ پاؤ گے اور ہرگز تم اللہ تعالیٰ کی سنت میں تغیر نہ پاؤ گے"۔

پاکستانی قوم کے لئے اصلی بات غور و فکر کا نصاب ہے۔ وہ سوچیں مسائل کا ہجوم ان پر پنا بوجھ کیوں بڑھا رہا ہے۔ زلزلوں کے جھٹکے انہیں زمین بوس کیوں کر رہے ہیں۔ پانی کی بپھری لہریں انہیں ہلاک کرنے پر کیوں تُل کھڑی ہوئی ہیں۔

کہیں ایسا تو نہیں ایک اللہ کی بندگی کے نظام
کو ہم چھوڑ بیٹھے ہوں۔
کہیں ایسے تو نہیں ہم پیسوں کے پجاری
بن گئے ہوں اور فقیروں اور بے نواؤں کی ہم نے زندگی تلخ کر دی ہو۔
کہیں ایسے تو نہیں اوامر رسالت کا مذاق
اڑا رہے ہوں اور اشرف الانبیاء کی گستاخی کا وبال

معاشی اور معاشرتی بحرانوں کی صورت میں نمودار ہو رہا ہو۔
کہیں ایسے تو نہیں کہ ہم "دعوت توحید" کو دبانے کی خاطر
اپنے وسائل استعمال کر رہے ہوں۔
کہیں ایسے تو نہیں کہ ہمارا مکروہ نظام صالحین اور
اہل اللہ کو قتل کرنے پر آمادہ ہو گیا ہو۔
کہیں ایسے تو نہیں کہ پس پردہ ہم بدکاریوں اور
جنس پرستیوں کی دہلیز چوم رہے ہوں۔
کہیں ایسے تو نہیں ہم لوگوں کے ایمانوں کو کمزور کرنے کے لئے
مدنی تہذیب کے قاتل بن گئے ہوں۔
اور کہیں ایسے تو نہیں در باطن ہم یہودیوں اور عیسائیوں کے پرچم بردار بن گئے ہوں۔

پانی جو ابھر رہا ہے۔ سیلاب جو چھا رہے ہیں۔ آندھیاں جو طوفانوں کی شکل اختیار کر رہی ہیں۔ لگتا ہے فطرت کی تعزیریں ہم سب کو پابجولاں کر رہی ہیں۔ جس ملک میں جنگل کا قانون ہو۔ غریبوں کو رووسا کی خواہشات کی چکیوں میں پیس رہے ہوں۔ حکمران جلادوں کی طرح چمڑیاں ادھیڑنے کا فریضہ پورا کر رہے ہوں، تو ماضی کے اس واقعہ سے سبق سیکھو جب زمین پر جور و ستم انتہا پر پہنچ گیا، تشدد اور تباہ کاریاں عروج پر جا پہنچیں اور طغیان اور سرکشی حد سے بڑھ گئی تو "ان بطش ربك لشديد" کا اصول حرکت میں آ گیا۔ اللہ کے پیغمبر نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو صاف صاف پیغام دے دیا:

"اے لوگو! میں صاف طور پر تمہیں خطرے سے آگاہ کرتا ہوں کہ اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کرو مجھے تمہارے بارے میں ایک دردناک عذاب کا خوف ہے"۔

نوح علیہ السلام کی قوم نے جو جواب دیا رعونت ملاحظہ ہو:

"ہم تو آپ کو اپنی ہی طرح کا انسان سمجھتے ہیں تمہاری اتباع تو گھٹیا لوگ کرتے ہیں۔ تمہیں ہم پر کوئی فوقیت حاصل نہیں بلکہ ہم تمہیں جھوٹا بھی سمجھتے ہیں"۔

سورہ ہود نوح علیہ السلام کا تبصرہ نقل کرتی ہے:

قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّىْ وَاٰتٰىنِىْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِهٖ
فَعُمِّيَتْ عَلَيْكُمْ ؕ اَنُلْزِمُكُمُوْهَا وَاَنْتُمْ لَهَا كٰرِهُوْنَ ﴿٢٨﴾ وَيٰقَوْمِ لَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ
مَالًا ؕ اِنْ اَجْرِىَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ وَمَاۤ اَنَا بِطَارِدِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ اِنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَ
لٰكِنِّىْۤ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ ﴿٢٩﴾ وَيٰقَوْمِ مَنْ يَّنْصُرُنِىْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ طَرَدْتُّهُمْ ؕ اَفَلَا
تَذَكَّرُوْنَ ﴿٣٠﴾ وَلَاۤ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِىْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَاۤ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَاۤ اَقُوْلُ
اِنِّىْ مَلَكٌ وَّلَاۤ اَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ تَزْدَرِىْۤ اَعْيُنُكُمْ لَنْ يُّؤْتِيَهُمُ اللّٰهُ خَيْرًا ؕ اَللّٰهُ اَعْلَمُ
بِمَا فِىْۤ اَنْفُسِهِمْ ۖۚ اِنِّىْۤ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٣١﴾ (ہود:31-28)

"فرمایا اے میری قوم! ذرا غور تو کرو کہ اگر میں اپنے رب کی طرف سے روشن دلیل پر ہوں اور اس نے اپنی طرف سے مجھے رحمت عطا فرما دی ہو پھر بھی تم پر اندھاپن چھا گیا ہے کیا ہم اسے تم پر مسلط کریں درآنحالیکہ تم اسے ناپسند جانو اور اے میری قوم! میں تم سے اس پر مال کا سوال نہیں کرتا، میرا اجر نہیں ہے مگر اللہ پر اور میں ایمان والوں کو دور دھکیلنے والا بھی نہیں یقیناً وہ اپنے رب سے ملے ہیں

لیکن میں تمہیں دیکھتا ہوں کہ تم جاہل قوم ہو اور اے میری قوم! اگر میں انہیں دور کر دوں تو اللہ کے مقابلے میں میرا کون مددگار ہو سکتا ہے تو کیا تم اتنی بات بھی نہیں سمجھتے اور میں تم سے نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ یہی کہ میں غیب جاننے والا ہوں اور نہ یہی کہ میں فرشتہ ہوں اور نہ ان لوگوں کے لئے یہ کہتا ہوں جنہیں تمہاری نظریں حقیر جانتی ہیں کہ اللہ انہیں کبھی بھلائی نہیں عطا فرمائے گا اللہ خوب جانتا ہے جو ان کے دلوں میں ہے وگرنہ دریں صورت تو میں انصاف نہ کرنے والوں میں سے ہو جاؤں گا"۔

ناداں قوم پیغمبر کی دعوت کو قدر کی نگاہ سے نہ دیکھ سکی اور ایک طوفان نے انہیں گھیر لیا۔

حَتّٰۤى اِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَ فَارَ التَّنُّوْرُ ۙ (ہود:40)

"حتیٰ کہ ہمارا حکم آ پہنچا اور تنور ابل پڑا"۔

روئے زمین پر پانی چھا گیا۔ آسمان کی کھڑکیاں کھل گئیں، بند ٹوٹنے لگے، دریاؤں کے سوتے پھوٹ پڑے۔

سورہ قمر میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

فَفَتَحْنَاۤ اَبْوَابَ السَّمَآءِ بِمَآءٍ مُّنْهَمِرٍ ۫ۖ وَّ فَجَّرْنَا الْاَرْضَ عُیُوْنًا فَالْتَقَى الْمَآءُ عَلٰۤى اَمْرٍ قَدْ قُدِرَ ۚ (القمر:11،12)

"تو ہم نے آسمان کے دروازے زوردار بہتے پانی کے ساتھ کھول دیئے اور ہمارے حکم سے زمین کے چشمے تیزی سے پھوٹ پڑے اس طرح دونوں پانی مل گئے ایک مقصد کے لئے جو پہلے سے مقرر تھا"۔

آج ہماری قوم بھی اسی صورت حال سے دوچار ہے لیکن کل کی طرح آج بھی مجرمانہ سازشوں نے ہمیں اللہ کو ماننے والی قوم نہیں چھوڑا۔ مساجد سے آوازِ حق کو بلند کرنے والوں کو دہشت گردی کے الزام میں گرفتار کیا جاتا ہے۔ افسران بکار سرکار تمدنی ضلالتوں کے پرچم بردار بن چکے ہیں۔ مادی عیاشیوں نے ہمیں ایک اللہ سے غافل کر دیا ہے۔ علم و تعلیم کے دعوے کثرت سے ہیں لیکن تعلیم حجاب اکبر بنی ہوئی ہے۔ قرآن پڑھنے والی آماجگاہ کو کمزور کرنے کی سازش ہو رہی ہے۔ نیک لوگوں کی ہنسی اڑائی جاتی ہے۔ دین پر تعریض ہو رہی ہے۔ اسلام کو بے وقعت ثابت کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا جا رہا ہے۔ شخصی کردار میں عقیدہ راسخ نام کی کوئی چیز نہیں رہی۔ طغیان اور جبروت کا تسلط دلوں پر گہرا ہوا جا رہا ہے۔ طبعی آفتوں سے بچاؤ کا ایک ہی طریقہ ہے، محض ایک ہی تدبیر ہے کہ زمین پر خدا کے قانون کی بادشاہی قائم کر دی جائے۔ جیسے طوفان کے بعد نوح علیہ السلام کو کامرانیوں کی بشارت دی گئی تھی آج بھی زمین برکات کا سرچشمہ بن سکتی ہے۔

سورہ ہود میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

قِیْلَ یٰنُوْحُ اهْبِطْ بِسَلٰمٍ مِّنَّا وَ بَرَكٰتٍ عَلَیْكَ وَ عَلٰۤى اُمَمٍ مِّمَّنْ مَّعَكَ ؕ وَ اُمَمٌ سَنُمَتِّعُهُمْ ثُمَّ یَمَسُّهُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۝ (ہود: 48)

"کہا گیا اے نوح اتر آئیں ہماری طرف سلامتیوں کے ساتھ اور ان پر برکتوں کے ساتھ جو آپ پر ہوئیں اور آپ کی ساتھی جماعتوں پر اور کچھ دوسرے گروہ ہیں جنہیں ہم متاع حیات دے گے پھر انہیں ہماری طرف سے دردناک عذاب پہنچے گا"۔

انسان اندر سے منافق ہو جائے تو اس کے کلمہ توحید کا بھی اعتبار نہیں رہتا۔ نیتوں میں کفر آ جائے تو سجدے سجدے نہیں رہتے، رکوع رکوع نہیں رہتے اور نمازیں دھوکہ بن جاتی ہیں۔ مسجدیں بنانے میں غرض

خداپرستی نہ ہوتو مسجدیں، مسجدیں نہیں رہتیں بلکہ انہیں ضرر کے اڈے سمجھتے ہوئے منہدم کرنے کا حکم کیا جاتا ہے۔صدیق و بلال بننے کے لئے روحِ صدیق و بلال درکار ہوتی ہے۔

تعجب خیز بات یہ ہے کہ کل کے منکروں کی طرح آج بھی سیلاب کی آفت و ہلاکت میں ہم مغرب کے جودی پہاڑوں کا سہارا تلاش کررہے ہیں اور نوح کی کشتی کا مذاق اڑا رہے ہیں حالانکہ ہمیں سفینۂ پیغمبر درکار ہے۔اے میری قوم یقین رکھ کہ پانی کی ہر موج اللہ کے دستِ قدرت میں ہے۔ڈوبنے والے اور بچانے والے خلوصِ نیت سے اللہ کی طرف دیکھیں تو وحشت کدے آج بھی چمنستان بن سکتے ہیں۔پاداشِ عمل سے تباہی میں پڑنے والی قوم کو بچنے کے لئے حقیقی سہارا تلاش کرنا چاہئے۔زندگی کی تمام برکتیں پھر ظہور میں آجائیں گی۔

اے اللہ!
ہم سے راضی ہوجا
اے اللہ!
ہمیں معاف فرمادے
اے اللہ!
کچھ بھی ہیں تیرے نبی کے دامانِ رحمت سے وابستہ ہیں
آفتوں کو رحمتوں میں تبدیل فرمادے
کرم کی نظر کر
ہمارا رخ تیرے نبی کے گنبدِ خضریٰ کی طرف ہے
بگڑی بگڑی قوم
بکھری ادھڑی ملت
کوٹی پٹی امت
اگر تو نبی کے نظام کا جلوہ دے دے
بہاری بہار ہوجائے گی
نظرِ کرم!
نگاہِ رحمت!
عطائے برکت!
اللہ اکبر تیرے نبی اور تیرے محبوب کی آل پر درود و سلام۔

دعاؤں کا طالب

سید ریاض حسین شاہ

حرف حرف روشنی

سید ریاض حسین شاہ قرآن مجید فرقان حمید کی تفسیر "تبصرہ" کے عنوان سے تحریر کر رہے ہیں۔ ان کا اسلوب نگارش منفرد اور دیگر مفسرین سے مختلف بھی ہے اور دلچسپ بھی۔ انداز بیان سادہ اور دلکش ہے جس میں رموز و معانی کا سمندر موجزن ہوتا ہے۔ ذیل میں ہم قارئین کی دلچسپی کے لیے سورہ تکویر کے آخری حصے کی تفسیر پیش کر رہے ہیں (ادارہ)

سید ریاض حسین شاہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَ اِذَا الْجَحِيْمُ سُعِّرَتْ (12) وَ اِذَا الْجَنَّةُ
اُزْلِفَتْ (13) عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّاۤ اَحْضَرَتْ (14) فَلَاۤ
اُقْسِمُ بِالْخُنَّسِ (15) الْجَوَارِ الْكُنَّسِ (16) وَ الَّيْلِ
اِذَا عَسْعَسَ (17) وَ الصُّبْحِ اِذَا تَنَفَّسَ (18) اِنَّهٗ
لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ (19) ذِیْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِی
الْعَرْشِ مَكِيْنٍ (20) مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِيْنٍ (21) وَ مَا
صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُوْنٍ (22) وَ لَقَدْ رَاٰهُ بِالْاُفُقِ
الْمُبِيْنِ (23) وَ مَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِيْنٍ (24) وَ مَا
هُوَ بِقَوْلِ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ (25) فَاَيْنَ
تَذْهَبُوْنَ (26) اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ (27)
لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّسْتَقِيْمَ (28) وَ مَا تَشَآءُوْنَ
اِلَّاۤ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ (29)

اور جب جہنم شعلہ زن کر دی جائے گی۔ اور جنت جب قریب کر دی جائے گی۔ ہر نفس جان لے گا جو عمل وہ لایا ہوگا۔ پس مجھے قسم ہے اُن ستاروں کی جو پیچھے ہٹ جانے والے ہیں۔ جو مدار میں تیرنے والے ہیں، نگاہوں سے اوجھل ہو جانے والے۔ قسم ہے رات کی جب وہ ڈھلنے لگے۔ اور صبح کی جب وہ تازہ دم نکلے۔ بے شک یہ قرآن عزت والے رسول کا قول ہے۔ بڑی قوت والا عرش کے مالک کے ہاں مکیں۔ اطاعت کیا جانے والا امین۔ اور تمہارے صاحب مجنون نہیں۔ اور بے شک انہوں نے اسے روشن کنارے پر دیکھا ہے۔ اور وہ غیب بتانے میں بخیل نہیں۔ اور وہ دھتکارے شیطان کا قول نہیں۔ پھر تم کہاں جا رہے ہو۔ وہ نہیں ہے مگر سب جہانوں کے لیے ذکر۔ اُس کے لیے جو تم میں سے صحیح ہونا چاہے۔ اور تم نہیں چاہ سکتے بجز اُس کے جو اللہ چاہے وہ جو جہانوں کا پروردگار ہے۔

وَإِذَا الْجَحِيْمُ سُعِّرَتْ ۝ وَإِذَا الْجَنَّةُ أُزْلِفَتْ ۝

''اور جب جہنم شعلہ زن کر دی جائے گی اور جنت جب قریب کر دی جائے گی''۔

قرآن مجید جہنم کے شعلہ بار ہونے کی بات کرتا ہے۔ خطیب شربینی سراج میں لکھتے ہیں کہ حدیث میں وارد ہوا ہے کہ آتش جہنم ہزار برس جلائی گئی اور وہ سرخ ہو گئی پھر ہزار برس اسے بھڑکایا گیا اور وہ سفید ہو گئی پھر اس کے بعد ہزار برس جلائی گئی اور وہ سیاہ ہو گئی، اب جہنم بالکل سیاہ اندھیری ہے (46)۔

سدی نے کہا کہ آیت کا مطلب آگ میں تیزی ہے۔

قتادہ نے کہا کہ آگ کا شدت سے بھڑکایا جانا ہے (47)۔

قرآن مجید کی یہ آیت بتاتی ہے کہ دوزخ تیار شدہ موجود ہے صرف اتنا ہے کہ اسے حجابات میں رکھ دیا گیا ہے۔ بروز قیامت اللہ تعالیٰ ان تمام پردوں کو ہٹا دے گا۔

سورہ توبہ کی یہ آیت ہمیں بتاتی ہے کہ دوزخ موجود ہے۔

وَإِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌ بِالْكٰفِرِيْنَ ۝ (سورہ توبہ 49)

''اور بے شک نار جہنم منکرین کا احاطہ کئے ہوئے ہے'' (48)۔

دوسری آیت میں جنت کے صالحین سے قریب کر دینے کی بات کی گئی ہے۔ یہ آیت بھی بتاتی ہے کہ جنت تیار ہے یہ نہیں کہ اسے اٹھا کر صالحین سے قریب کیا جائے گا بلکہ نیک لوگوں کو اس سے قریب کر دیا جائے گا۔ جنت اگرچہ موجود ہے لیکن قیامت کے دن اس کی تیاریوں اور بہاروں میں اضافہ کر دیا جائے گا۔ باقی رہا یہ سوال کہ اسلوب بیان تو جنت کا قریب کرنا ہے تو اس سوال کا جواب یہ ہے کہ تعبیر کا محترم ہونا اہل جنت کی بلندیوں اور شان میں رفعتوں کی وجہ سے ہے۔ **واللہ اعلم**

عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا أَحْضَرَتْ ۝

''ہر نفس جان لے گا جو عمل وہ لایا ہو گا''

ہر نفس جان لے گا جو کچھ اس نے حاضر کیا یعنی ہر شخص اپنے ہر کام اور ہر فعل کو اپنے سامنے موجود پائے گا۔ اعمال کا مکمل ریکارڈ قیامت کے دن ہر شخص کے ساتھ پڑا ہو گا۔ کوئی چیز غائب نہیں ہو گی۔ حساب کے لئے نیکی بدی سب کچھ حاضر ہو گا۔ اس سے یہ نہ ہو سکے گا کہ صحیفۂ عمل میں کوئی تبدیل کر دے۔ آیت کا منطقی مفہوم یہی ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اعمال کو میزان میں تولنے کے لئے عملاً حاضر کیا جائے۔ اگر ایسا بھی ہو تو اسے محال نہیں سمجھا جا سکتا۔ اگرچہ رازی وغیرہ مفسرین نے کہا کہ میزان میں آثار اعمال کو تولا جائے گا اس لئے کہ اعمال کو عملاً تجسیم کے ساتھ حاضر ہونا بعید از تسلیم ہے (49)۔ قیامت کے احوال بیان کرنے میں یہ توحید کے عقیدہ کا ایک جلوہ بتایا گیا کہ جہاں شمس وقمر کی تکویر اور انکدار ہو گا، ستارے بے نور ہو جائیں گے اور آسمان کی کھال اتار لی جائے گی وہاں اگلے پچھلے انسانوں کے اعمال ان کے ساتھ حاضر کر دینا کتنا مشکل کام ہو گا۔ اللہ ہر مشکل اور محال پر قادر ہے۔ جس ذات کے کن کے کرشمے ارض وسما اور لیل ونہار کے انقلاب میں دیکھے جا سکتے ہیں احضار اعمال بھی کوئی مشکل کام نہیں۔

اسلام تو ایمان کے شجر کا پھل ہے اور ایمان یقین اور ماننے کا نام ہے۔ اگر عصائے موسوی میں اعجاز کی قوت سے فرعونی کرتب لاشئی ہو سکتے ہیں تو اعمال کو حاضر کر دینا اللہ سے کوئی مشکل نہیں، بات تو یقین کی ہے اور یقین ہی فہم قرآن کی جان ہے۔

احادیث میں روزے کا مجسم ہو کر اٹھنا، تلاوت کا مجسم ہو کر پڑھنے والے کی شفاعت کرنا اور اعمال صالحہ کا قبر میں میت کو فرشتوں کے عذاب سے بچانا ثابت شدہ امور ہیں۔ اگر یہ ممکن ہے تو نیکی اور بدی سب کا حاضر کر دینا کیسے ناممکن ہو سکتا ہے۔ مفسرین کی تھکی ہوئی تحقیقات اگر یقین سوز ہوں تو ان سے علیحدگی ہی بہتر ہے۔ عمود قرآن تو اللہ اور اس کے رسول پر یقین اور ایمان کی قوت ہے، اللہ اسے سلامت رکھے۔

فَلَآ أُقْسِمُ بِالْخُنَّسِ ۝ الْجَوَارِ الْكُنَّسِ ۝

''پس مجھے قسم ہے ان ستاروں کی جو پیچھے ہٹ جانے والے ہیں۔ جو مدار میں تیرنے والے ہیں، نگاہوں سے اوجھل ہو جانے والے''۔

قرآن مجید کا یہ حصہ اپنے قاری کو نئی، تازہ اور ممتاز قسموں کے روبرو کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں کی قسم کی ہے بلاشبہ وہ شرف و عزت کا محل ہے لیکن معانی اور مطالب کے فہم صحیح کے لئے ہمیں قسموں اور الفاظ کے درست انطباق تک رسائی کرنی ہو گی۔

سب سے پہلے ہم دیکھتے ہیں کہ ''خنس'' کیا چیز ہے؟

لفظ کا مادہ خ، نون اور سین ہے۔ لغوی معنی اس کا، پیچھے ہٹ جانا ہوتا ہے۔ پاؤں کے تلوے کا سپاٹ اور گوشت سے بھرا ہوا ہونا۔ خنیس، چالباز اور حیلہ ساز آدمی کو کہتے ہیں۔ کانوں میں پھونک کر دے پاؤں پیچھے ہٹ جانے والا شیطان خناس کہلاتا ہے۔ ابن فارس نے کہا کہ لفظ کا بنیادی معنی چھپنا اور پوشیدہ ہونا ہوتا ہے۔ علامہ قرطبی نے ناک کے جبڑے کی طرف ہٹے ہونے کا معنی بھی نقل کیا ہے۔ ابن جریر کی طرح رازی نے بھی "خنس" کا معنی گائے اور ہرن سے کئے ہیں اس لئے کہ ان کے ناک میں گہرائی ہوتی ہے اور ابن کثیر نے "خنس" کا معنی نجوم یعنی ستاروں سے کیا ہے اور قرطبی وغیرہ مفسرین نے اس معنی کی نسبت حضرت علی ؓ سے کی ہے اور جمہور کی تحقیق بھی یہی ہے۔

"الجواری" علامہ آلوسی نے اس کا معنی تیزی سے گزر جانا لکھے ہیں اور کہا ہے کہ مراد اس سے ستارے ہیں اگرچہ یہ لفظ آبی جہازوں پر بھی اطلاق پذیر ہوتا ہے۔ "الجاریہ" آفتاب کو بھی کہتے ہیں "الجری" وکیل اور ضامن کو بھی کہہ دیتے ہیں اور ابن منظور وغیرہ ائمہ لغت رواں دواں چشموں کے لئے بھی یہ لفظ لائے ہیں۔

علامہ راغب اصفہانی نے "کنس" جنگلی جانوروں کا ٹھکانوں پر پہنچ جانا نقل کیا ہے۔ "کنس" غائب ہو جانے والے کو کہہ دیتے ہیں۔ س لفظ کا معنی بھی ان نجوم سے کیا گیا ہے جو اپنے برجوں یا سورج کی شعاؤں میں چھپ جاتے ہیں۔

علامہ قرطبی اور رازی نے لکھا کہ یہ الفاظ بہت سے معانی میں مشترک ہونے کے باوجود ستاروں ہی کے معنوں میں استعمال ہوئے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں ان سے مراد وہی سیارے ہے جنہیں "نجوم متحیرہ" کہا جاتا ہے۔

عطارد، زحل، مشتری، زہرہ اور مریخ ایسے ستارے ہیں جو دوربین کے بغیر بھی آسمان پر دیکھے جا سکتے ہیں۔ ان کی حرکت خط مستقیم پر نہیں ہوتی۔ یہ کبھی پیچھے ہٹتے ہیں، کبھی آگے بڑھتے ہیں۔ ان کے مشارق اور مغارب اپنے اپنے ہیں۔ آنکھوں میں ان کا کبھی اوپر ہو جانا اور کبھی نیچے آ جانا عجب لگتا ہے۔ باقی ستارے جو جمے ہوئے لگتے ہیں ان کا متحرک ہونا ان کے درمیان لگتا ہے جیسے کسی کے عشق میں رقص بسمل کا نظارہ پیش کر رہے ہوں۔ خنس، کنس اور جوادی کے لفظی جوڑ ممکن ہے بعض دوسرے ستاروں کو بھی اپنے مفاہیم میں سمیٹے ہو جو دوربین کے بغیر نظر نہیں آتے اور سورج چاند بھی ان کا حصہ ہوں جو بہت ہی نمایاں نظر آتے ہیں۔ ظہور وغیوب کی یہ کارگاہ نگاہوں میں حیرت کے جلوے سمو دیتی ہے۔ اصل مقصد تو یہ ہے کہ لطیف رموز کے حامل ان ستاروں کی قسمیں کر کے انسانی افکار کو بیدار کیا جائے تا کہ وہ نظام ہدایت کے مخفی اور ظاہر ہر قسم کے گوشوں تک رسائی حاصل کریں، عقیدہ توحید مضبوط ہو، رسالت پر یقین افزائی ہو اور اس اعتقادی حسن کی بنیاد پر قرآنی ہدایات کا نور تلاش کیا جائے جس سے انسانی اعمال مرکز محبت سے قریب ہوں۔

وَالَّيۡلِ اِذَا عَسۡعَسَ ﴿۱۷﴾ وَالصُّبۡحِ اِذَا تَنَفَّسَ ﴿۱۸﴾

"قسم ہے رات کی جب وہ ڈھلنے لگے اور صبح کی جب وہ تازہ دم نکلے"۔

عسعس "عسعسہ" کے مادہ سے اقبال اور ادبار دونوں معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ یہ لفظ اضداد میں سے ہے۔ ہلکی تاریکی کے معنوں میں بھی استعمال ہوا ہے۔ رات کے پہلے اور آخری دونوں حصوں میں تاریکی چونکہ ہلکی ہوتی ہے اس لئے رات جب پیٹھ دے دے اور ختم ہونے سے قریب ہوا سے "عسعس" کہہ دیتے ہیں (50)۔ ابن فارس اگرچہ اس کا معنی آنا ہی لکھتے ہیں، جانے کے لئے وہ "سعسع" کا مادہ نقل کرتے ہیں۔ دونوں صورتوں میں معنی پر یہ اثر پڑے گا کہ پہلی صورت میں ترجمہ کیا جائے گا:

"قسم ہے رات کی جب اس کی تاریکی آتی جائے" اور دوسری صورت میں ترجمہ یہ ہوگا۔

"قسم ہے رات کی جب وہ پیٹھ دے کر آخر کو پہنچ جائے"۔

حضرت حسن بصری ؒ اس کا مفہوم اس طرح سمجھتے تھے کہ "قسم ہے رات کی جب اس کا اندھیرا خوب گہرا ہو کر لوگوں کو ڈھانپ لے"۔ سعید بن جبیر ؒ کہتے تھے کہ قسم ہے رات کی جب وہ تاریک ہونا شروع ہو جبکہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے رات کے پیٹھ پھیرنے کا معنی نقل کیا گیا ہے۔

حضرت ابو عبدالرحمن اسلمی ؒ فرماتے ہیں:

ایک دن صبح کے وقت مؤذن نے اذان دی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم باہر تشریف لائے اور فرمایا ایسے لوگ کہاں ہیں جو وتر کا وقت پوچھتے ہیں اور "واللیل اذا عسعس" کا معنی دریافت کرتے ہیں، اس کا وقت یہی ہے جب رات پیٹھ دے گئی پھر آپ نے شہادت میں یہ شعر بھی پڑھا:

حتی اذا اصبح لہ تنفسا

وانجاب عنها ليلها وعسعسا

صبح نے سانس لی اور رات نے ڈیرہ اٹھا دیا یعنی پیٹھ دے دی (51)۔

سورہ تکویر میں آخری قسم تازہ دم صبح کی کی گئی۔ ایسے لگتا ہے کہ صبح کوئی تازہ دم زندہ وجود ہے اور اس کی زندگی کا آغاز طلوع سپیدہ سے ہو رہا ہے۔ اصل میں یہی وقت انسانی زندگی میں پیغامِ حیات لا رہا ہوتا ہے۔ سورج کی پہلی شعاع رات کے خاتمے کا اعلان کرتی ہے اور صبح آزادو روح کی طرح تازگی اور شگفتگی بانٹنے میں منہمک ہو جاتی ہے۔

سید قطب نے صحیح لکھا ہے:

''عربی زبان اپنی ساری فصاحت و بلاغت کے باوجود صبح کی اس کیفیت کے متعلق ایسی تعبیر سے محروم ہے جو قرآن حکیم نے بیان فرمائی۔ ایک حساس انسان جب صبح پر نظر ڈالتا ہے تو وہ محسوس کرتا ہے جیسے زبان سانس لے رہی ہو۔ بھاپ کا اٹھنا تاریکی کا ختم ہونا اور آہستہ آہستہ ہر طرف نور اور روشنی کا چھا جانا'' (52)۔

ضحاک نے کہا قسم صبح کی جب وہ سانس لے یعنی طلوع ہو۔

قتادہ نے کہا معنی ہے جب صبح روشن ہو۔

سعید بن جبیر رضی اللہ عنہما نے کہا قسم صبح کی جب وہ سانس لے یعنی بیدار ہو اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے یہی معنیٰ لیا ہے واللہ علم (53)۔

إِنَّهُۥ لَقَوۡلُ رَسُولٖ كَرِيمٖ ۝١٩

''بے شک یہ قرآن عزت والے رسول کا قول ہے''۔

یہ جواب قسم ہے۔ حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی علیہ الرحمۃ نے لکھا رسول سے مراد حضرت جبرئیل بھی ہو سکتے ہیں اور حضور انور ﷺ کی ذات گرامی بھی ہو سکتی ہے۔

پہلی صورت میں مفہوم یہ ہوگا کہ قرآن حکیم معزز اور مکرم فرشتہ جبرئیل کا لایا ہوا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ کلام خود ساختہ نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا ہے جسے جبرائیل امین نے من وعن پوری امانت، شوق اور اطاعت کی پاس داری سے ادا کیا ہے۔ اشارہ اس طرف ہے کہ کسی راندہ درگاہ شیطان کی اس کلام تک رسائی نہیں۔ جس فرشتہ کے ذریعے یہ کلام قول کے اعزاز تک پہنچا وہ بڑی کرامت والا بزرگ قاصد ہے۔ یہ بات اپنی جگہ درست ہے کہ جمہور نے رسول کریم ﷺ سے جبرائیل امین مراد لئے ہیں لیکن قرآن حکیم کو جبرائیل کا قول قرار دینے سے زیادہ مستحکم بات یہ ہے کہ کلام باری کو رسول اکرم ﷺ کے لبوں سے نسبت کی بنا پر رسول کریم ﷺ کا قول سمجھا جائے اس مفہوم کی تائید سورہ الحاقہ کی یہ آیات بھی بھرپور طریقے سے کرتی ہیں:

فَلَآ أُقۡسِمُ بِمَا تُبۡصِرُونَ ۝٣٨ وَمَا لَا تُبۡصِرُونَ ۝٣٩ إِنَّهُۥ لَقَوۡلُ رَسُولٖ كَرِيمٖ ۝٤٠ وَمَا هُوَ بِقَوۡلِ شَاعِرٖۚ قَلِيلٗا مَّا تُؤۡمِنُونَ ۝٤١ وَلَا بِقَوۡلِ كَاهِنٖۚ قَلِيلٗا مَّا تَذَكَّرُونَ ۝٤٢ (الحاقہ: 42-38)

''سو میں قسم کرتا ہوں ان چیزوں کی جنہیں تم دیکھتے ہو اور ان کی جنہیں تم نہیں دیکھتے ہو، بے شک قرآن حکیم رسول کریم کی باتیں ہیں اور وہ کسی شاعر کا قول نہیں، تھوڑے ہی ہو جو مانتے ہو اور نہ کسی کاہن کا قول، کس قدر کم تم نصیحت پکڑتے ہو''۔

سورہ الحاقہ کی یہ آیات پوری وضاحت کے ساتھ حقیقت کو اظہر من الشمس کر دیتی ہیں کہ یہاں رسول کریم سے مراد حضرت محمد ﷺ کی ذات گرامی ہے۔ قرآن حکیم کی تفہیم قرآن حکیم کے ساتھ بذاتِ خود اصول تفسیر کا ایک محکم اور ٹھوس اصول ہے۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی کی طرح یہ آیت کا مصداق دونوں ذوات قرار دی جا سکتی ہیں اور وہ صفات جو آگے لائی گئی ہیں وہ جبرائیل امین اور حضور ﷺ دونوں کی ہو سکتی ہیں۔ جہاں تک کرامت کا تعلق ہے وہ جبرائیل کے لئے بھی ثابت ہے اور جو عزت اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو دی کیا لفظوں میں اس کا احاطہ کیا جا سکتا ہے۔ آپ ﷺ کے ذکر کو بلند کیا گیا۔ ختم نبوت کا تاج آپ ﷺ کے سر سجایا گیا۔ شرائع کی تکمیل آپ ﷺ کے دست اقدس پر کی گئی۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں ان کی تعریف کی ان پر صلوٰۃ بھیجا۔ آپ ﷺ کی امت کو خیر امت قرار دیا گیا۔ پہلے نبیوں کو معراج زمینوں پر کرائی گئی حضور ﷺ کو دنا فتدلی کے مقام پر فائز کیا گیا۔ انبیاء سابقین کو نام لے کر خطاب کیا اور حضور ﷺ کو القاب کے ساتھ یاد فرمایا۔ سابق قیادتوں کے معجزے ان کے ساتھ ہی چلے گئے رسول کریم ﷺ کا معجزہ ابدی ازلی ہو گیا، اس لئے کہ وہ خدا کی صفت ہے اللہ کی تمام صفات قدیم ہیں۔ آپ ﷺ کے قول کی یہ کرامت ٹھہری کہ ایک ایک لفظ پر سینکڑوں مقالے لکھے گئے۔ ہزاروں کتابیں حدیث

کی تشریح میں لائی گئیں۔ آپ ﷺ ہی کی قدسی ذات ہے کہ لبوں سے قرآن نکلا تو تحفظ کی ضمانت خود خدا نے دی اور لاکھوں بدنوں کے سینوں میں قرآن محفوظ ہوگیا۔ محدثین، مؤرخین، محققین اور مفسرین رسول کریم ﷺ کے قول اور بول ہر چیز کے محافظ ہوگئے۔ یہ عزتیں، یہ کرامتیں، یہ اعزازات جس ہستی کے تھے وہی رسول کریم ﷺ ٹھہری۔

ذِي قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِينٍ ۝

''بڑی قوت والا عرش کے مالک کے ہاں مکیں''۔

فرمایا گیا کہ حضرت جبرائیل قوت والے قاصد تھے۔ قوم لوط کی بستیوں کو اکھاڑا، بحر اسود کے کنارے بازؤں پر اٹھایا اور بلندی سے نیچے پٹخ دیا۔ قوم ثمود پر دھاڑ ماری کہ سب بیٹھے بیٹھے مردہ ہوگئے۔ سب سے بڑی بات جس کلام کے تحمل سے پہاڑ ریزہ ریزہ ہوجائیں اسے اٹھانا اور حضور ﷺ کے قلب پر نازل کردینا، لمحوں میں زمین پر ہبوط اور پلک مارنے میں سدرہ تک عروج، کسی شیطان کی کب طاقت کہ ایک آیت بھی اچک سکے۔ جبرائیل کو ذی قوت کہنے سے تحفظ کلام کی طرف اشارہ ہے۔

حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی لکھتے ہیں (54): رسول کریم ﷺ کے ذی قوت ہونے کا اندازہ اس سے لگایا جائے کہ تبلیغ نوح سے ساڑھے نو سو برس میں چند سو لوگ مسلمان ہوئے اور حضور ﷺ کی تبلیغ سے محض تیئیس سالوں میں لوگ جوق در جوق دائرہ اسلام میں داخل ہوگئے۔ جبرائیل شب معراج سدرہ سے آگے نہ بڑھ پائے، حضور ﷺ ہی تھے جو 'دنا' کے مقام پر لائے گئے۔ طاقت تحمل کا اندازہ کون کرسکے۔ ایک تجلی سے طور ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا، موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہوگئے لیکن ادھر شرف دیدار کی عظمتیں کہ نہ آنکھ چندھیائی اور نہ نظر تھک کر پیچھے ہٹی۔ ماہ کا کلیجہ ایک اشارے سے چر گیا۔ سورج کی رفتار کو پابہ لگام کردیا، احزاب کے موقع پر ایک ضرب کدال سے قیصر و کسریٰ کی ریاستوں کو اوندھا کردیا، کمند قید میں لانے کا ارادہ رکھنے والا سواری سمیت زمین میں دھنس گیا۔ مزے کی بات یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے کہا ''رب اشرح لی صدری'' ''میرے رب میرے لئے میرا سینا کھول دے''۔ رسول اکرم ﷺ کو طلب کے بغیر انشراح صدر کی حالت سے نواز دیا گیا۔ یحییٰ علیہ السلام کو کہا گیا ''یا یحییٰ خذ الکتاب بقوۃ'' ''اے یحییٰ کتاب کو قوت سے پکڑ''، ہمارے حضور ﷺ کو ذی قوت کا لقب عطا کردیا۔

تیسری صفت حضرت جبرائیل کا عرش والے کے نزدیک معتبر اور معزز ہونا ہے۔ مکیں مکانت سے مقام و منزلت کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ راغب نے لکھا کہ یہ کون کے مادہ سے اسم مکان ہے اس کے بعد کثرت استعمال سے اسے مادہ فعل کے برابر قرار دے دیا گیا (55)۔

رسول اکرم ﷺ کے مقام و منزلت کے لئے یہ کافی نہیں کہ رب کریم نے ان کے لئے فرمایا:

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ۝

''اور ہم نے آپ کے لئے آپ کے ذکر کو بلند کردیا'' (56)۔

سورہ ضحیٰ میں فرمایا:

وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَى ۝

''اور عنقریب آپ کا رب آپ کو عطا کرے گا سو آپ خوش ہوجائیں گے'' (57)۔

سورہ کوثر میں فرمایا:

إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ ۝

''بے شک ہم نے آپ کو کوثر عطا کی'' (58)۔

نبوت کو آپ ﷺ پر ختم کردیا گیا اور اگلوں پچھلوں کے علوم اور معارف حضور ﷺ کو عطا کردیئے گئے۔

وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ (النساء 113)

''اور سکھا دیا آپ کو جو آپ نہ جانتے تھے''

مُطَاعٍ ثَمَّ أَمِينٍ ۝

''اطاعت کیا جانے والا امین''۔

جبرائیل امین کے ''مطاع'' ہونے کا مفہوم یہ ہے کہ ملاء اعلیٰ میں ان کی اطاعت کی جاتی ہے۔ بغوی نے لکھا کہ شب معراج میں رسول کریم ﷺ کے لئے جبرائیل کے کہنے پر فرشتوں نے آسمانوں کے دروازے کھول دیئے اس لئے جبرائیل کو 'مطاع' کہا گیا (59)۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ احکام پہلے جبرائیل کو ملتے ہوں بعد ازاں دوسرے فرشتوں کو پہنچتے ہوں اور وہ اس پر سراپا تسلیم بن جاتے ہوں۔

نواس بن سمعان کی روایت ہے

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اللہ جب کسی امر کی وحی کرنا چاہتا ہے تو وحی کے ساتھ کلام فرماتا ہے جس سے آسمانوں میں ایک لرزہ کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ آسمان والے یہ آواز سن کر بے ہوش جاتے ہیں لیکن وہ سجدہ کی حالت میں ہوتے ہیں، پھر سب سے پہلے سر اٹھانے والے جبرائیل ہوتے ہیں۔ اللہ ان سے وحی کے ساتھ کلام فرماتا ہے۔ اس کے بعد جبرائیل جب فرشتوں کی طرف سے گزرتے ہیں وہ پوچھتے ہیں ہمارے مالک نے کیا فرمایا جبرائیل فرماتے ہیں:

''جو فرمایا وہ حق ہے'' (60)۔

اس پر تمام فرشتے اطاعت بجالاتے ہوئے جبرائیل کے ہم زبان ہو جاتے ہیں:

''جو فرمایا وہ حق ہے''

یہ حدیث بتاتی ہے کہ حضرت جبرائیل اس طرح فرشتوں میں مطاع ہیں۔

حضرت جبرائیل کا لقب مطاع ہے اور اگر اس لقب کی حقیقت انہیں حاصل ہے تو وہ بھی فرشتوں کے حلقوں میں حاصل ہے۔ جہاں تک رسول انور ﷺ کے مطاع ہونے کا تعلق ہے تو یہ حقیقۃ الحقیقت ہے کہ اللہ کی جانب سے بندوں کی ہدایت کے لئے جو سلسلۂ رسالت آدم سے شروع ہوا محمد ﷺ کی ذات پر منقطع ہو گیا۔ اب عالم انسانیت ہی میں نہیں بزم کائنات میں ہر ایک کے لئے اخلاق وکردار کا ابدی معیار آپ ﷺ ہی کا اسوہ حسنہ ہے۔ صدیق کی صداقت، فاروق کا رنگ ایمان، عثمان کا خلق عفت، علی المولا کا بے مثل فقر، حسن کا تدبر، حسین کا معرکہ دعوت، بوذر کی فکر یہ الہی، بلال کا ایثار، انہی کی اطاعت کے رنگ ہیں۔ صحابہ کی عظمتوں کے اُجالے دیکھ کر محمدیت کا مقام مطاع ایمان باشتا نظر آتا ہے۔ نوع بشر کو روشنیوں سے ارجمند کرنے کے لئے ایک ہی ذات ہیں جن کی اطاعت واتباع اور محبت وعشق وقلب وضمیر اور فکر ووجدان کی پنہائیوں کو جگمگا دیتا ہے۔ جبرائیل جن کے در اقدس کا دربان ہو، ابوبکر جن پر پنکھا جھلیں، فاروق جن کے سامنے دوزانو ہو کر اپنی نوکری کا یقین دلائیں، علی جن کے در پر جبرائیل کو روک دیں، ابن مسعود جن کا نعلین بردار ہو، عقبہ جن کی سواری کی لگام تھامے، معاذ جن کی غلامی کا دم بھرے اور ابوذر جن کے چہرے کی خیرات سے رشک ملاء الاعلیٰ ہو جائے، جن کی غلامی کا دم بھرنے والے سعد کے لئے رحمٰن کا عرش لرز اٹھے ان کی شان مطاع کو لفظوں میں کون بیان کرے۔

باقی رہا جبرائیل کا امین ہونا تو قرآن کے زیر زبر کا ابلاغ جس فرشتے نے وثوق وامانت سے کیا وہ امین نہیں تو کون امین ہے لیکن شخصی کردار کا جھلملاتا کوکب دری تو آمنہ کا لخت جگر ہے جس کے صادق اور امین ہونے کو مشرکین بھی نہ جھٹلا سکے۔

کسی شاعر نے کتنا خوبصورت اعتراف کیا ہے۔

افق افق پر جو روشنی ہے

جہت جہت میں یہ رنگ وبو کی جو ساحری ہے

یہ قریہ دشت وکوہ وگلشن میں

ساحلوں پر سمندروں میں

جو زندگی ہے، جو بانکپن ہے، جو تازگی ہے

جو سرخوشی ہے۔

نظر کو اشیاء کی آگہی ہے!!

اس ایک سورج کا معجزہ ہے!!

اس حقیقت سے اپنے تو اپنے بیگانے بھی انکار نہیں کر سکتے۔

ہر عہد

ہر زمانے

ہر دور

اور

ہر مکان، ہر زماں
ہر لحظہ ہر دقیقہ
ہفتہ واسبوع اور شہر و مہینہ
بلکہ
ہر سوچ کا ایوان حیات
ان کے بے مثل کردار، لازوال صداقت
اور بے مثل امانت سے منور ہے۔

وَمَا صَاحِبُكُم بِمَجْنُونٍ ﴿٢٢﴾

''اور تمہارے صاحب مجنون نہیں''۔

مشرکین کی بے باکیاں، منکرین کی گستاخیاں اور غافلین کی ناقدریاں کہ ناروا، کریہہ اور ناموزوں لفظ مجنون کی نسبت جانِ رحمت ﷺ کی طرف کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی نفی فرمائی کہ تمہارے صاحب کو جنون لاحق نہیں۔ صاحب کا مطلب ہوتا ہے دوست، ہر وقت ساتھ رہنے والا، ہم نشین اور رفیق۔ قرآن حکیم نے جنون کی نفی کی لیکن دلیل میں حضور ﷺ کا صاحب ہونا پیش فرمایا، مطلب یہ ہے کہ محمد ﷺ نے سالہا سال تمہارے ساتھ گزارے ہیں۔ ان کی تجارت تم نے دیکھی ہے۔ ان کے چہل سالہ معاملات کا تم نے مشاہدہ کیا ہے۔ ان کے عظیم اخلاق کا حسن تمہاری آنکھیں دیکھ چکی ہیں۔ ایسے تو نہیں کہ تم زمین پر رہ رہے ہو اور وہ آسمان پر زندگی بسر کر رہے ہوں۔ وہ تمہارے درمیان ہم نشین اور ساتھی بن کر رہے ہیں۔ تم نے ان کے اندر کبھی جھوٹ کا تجربہ نہیں کیا۔ وہ امین رہے، تمہاری کسی معمولی سی چیز میں بھی تجاوز نہ کیا۔ تم توڑتے رہے وہ جوڑتے رہے، تم بکھیرتے رہے وہ شیرازہ بندی کرتے رہے۔ ایسی معقول اور عظیم ہستی کو تم مجنون کہتے ہو۔ یہ صرف تمہارے تعصبات، حرص و آز اور ہوا و ہوس ہے جو تمہاری زبانوں کو آتشی اور زہریلی بنائے ہوئے ہے۔ تم کبھی شاعر اور کبھی مجنون ایسے ناروا لفظ بکے جا رہے ہو۔ عقل کے اندھو! خود انصاف سے وہ قرآن پڑھ لو جو محمد ﷺ کے سینہ پر نازل ہوا۔ کیا ایسا رفیع المرتبت کلام انسانی ہدایت کا روشن نشان بنانے والا رسول مجنون ہو سکتا ہے۔ الٹی کھوپڑی کے بے منطق انسان ہمیشہ پیغمبروں کو مجنون کہتے رہے اور فاسد ماحول میں گھل مل جانے والوں کو دانا تصور کرتے رہے۔ علم و حکمت اور عدل و انصاف والے تو ہمیشہ دانش پیغمبروں کے پاؤں کی دھول گردان کر آنکھوں کا سرمہ بناتے رہے۔ عظمت تو بس اسی فکر میں ہے۔

وَلَقَدْ رَاٰهُ بِالْاُفُقِ الْمُبِيْنِ ﴿٢٣﴾

''اور بے شک انہوں نے اسے روشن کنارے پر دیکھا ہے''۔

''راہ'' میں دیکھنے کی نسبت حضور ﷺ کی طرف ہے اور ''ہ'' ضمیر ذی العرش کی طرف راجع ہے یا رسول کریم ﷺ اس ضمیر کا مرجع ہیں۔ پہلی صورت میں بالافق المبین ''رای'' کی ضمیر فاعلی سے حال واقع ہوگا۔ مفہوم یہ ہوگا کہ رسول اللہ ﷺ جن ساتوں آسمانوں کے آخر میں اس پرلے افق پر تھے اس وقت آپ نے اللہ کو دیکھا۔ حضرت انس ﷺ کا قول یہی ہے۔ اللہ رب العزت قریب ہوا اور فاصلہ قوسین سے بھی زیادہ قریب ہو گیا۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی لکھتے ہیں کہ ابوسلمہ کی روایت بھی یہی ہے۔ ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بھی یہی قول نقل کیا ہے۔ دیکھنے کی کیفیت میں بھی صحابہ رضی اللہ عنہم کا اختلاف تھا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما دل سے دیکھنے کا قول کرتے تھے جبکہ انس، حسن بصری، اور عکرمہ رضی اللہ عنہم آنکھوں سے رب کو دیکھنے کے قائل تھے (61)۔

حضرت ابوذر ﷺ کی روایت ہے کہ میں نے حضور ﷺ سے پوچھا کیا آپ نے رب کو دیکھا ہے، فرمایا وہ نور ہے میں اس کو کیسے دیکھتا۔ حضرت ابوذر ﷺ کی حدیث مسلم نے روایت کی ہے۔ اس حدیث میں ''نور انی اراہ'' کا ایک معنٰی محدثین نے یہ بھی کیا ہے وہ نور علی نور ہے میں نے اسے دیکھا ہے۔ مسلم شریف میں ابوذر ﷺ کی حدیث مروی ہے کہ حضور ﷺ نے ابوذر کے سوال پر فرمایا میں نے نور دیکھا ہے۔

فتح الباری میں مروزی نے یہ بات نقل کی ہے کہ امام احمد بن حنبل سے میں نے کہا کہ لوگ کہتے ہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ جس نے یہ کہا حضور ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا ہے تو اس نے اللہ پر بڑا بہتان باندھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس قول کا کیا جواب دیا جائے۔ آپ نے فرمایا حضور ﷺ کے ارشاد کے ساتھ جواب دیا جائے کہ آپ ﷺ نے فرمایا ''رایت ربی'' میں نے اپنے رب کو دیکھا ہے۔ حضور ﷺ کا ارشاد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ارشاد سے بڑا ہے (62)۔

جمہور مفسرین نے اس آیت کی تفسیر میں یہ لکھا کہ رسول ﷺ کے حضرت جبرائیل کو دیکھنے کی بات کی گئی ہے جبکہ جبرائیل افق مبین پر تھے (63)۔ مفسرین نے یہ بھی لکھا کہ حضور ﷺ نے جبرائیل کو ان کی اصلی شکل میں دو مرتبہ دیکھا ہے۔ ایک مرتبہ آغاز بعثت میں جب افق بالا پر جبرائیل ظاہر ہوئے اور مشرق و مغرب میں چھا گئے اور دوسری مرتبہ شب معراج کو اوپر والے آسمان میں حضور ﷺ نے جبرائیل کو اصلی صورت میں دیکھا۔

ممکن ہے سیاق کلام میں جبرائیل کو دیکھنے کی بات مشرکین کے اس الزام کی تردید میں کی گئی ہو کہ وہ کہتے تھے کہ محمد ﷺ مجنون ہیں۔ رب کریم نے فرمایا صاحب جنون تو پاؤں میں بھی صحیح دیکھ کر درست فیصلہ نہیں کر سکتا جبکہ محمد ﷺ جمیع عوالم کے اس پار افق مبین پر پہنچنے والے جبرائیل کو بھی دیکھتے ہیں۔ جو ہستی "فوق المنتہیٰ" دیکھتی ہو زمین کا کوئی گوشہ، کونا اس سے مخفی کیسے رہ سکتا ہے۔ علم اور عرفان کے تعمقات کو مسخر کرنے والے رسول کو مجنون کہنا کس قدر عجب اور حیرت میں مبتلا کر دینے والا معاملہ ہے۔ فرش زیریں سے عرش بریں تک سیار رسول سے بڑا دانش مند اور حکمت مآب قائد کون ہو سکتا ہے۔

وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِينٍ ۝

"اور وہ غیب بتانے میں بخیل نہیں"۔

ضنین "ضنہ" سے ماخوذ ہے۔ لسان العرب کے مؤلف نے اس کا معنیٰ پسندیدہ اور مرغوب شئی سے بخل برتنا لکھا ہے (64)۔ تاج نے لکھا کہ نفیس اور قیمتی چیزوں کو بخل کے ساتھ اپنے تک محدود رکھنا "ضـــــن" ہے (65)۔ جمہور مفسرین نے آیت کا مفہوم یہی لکھا ہے کہ رسول کریم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے قرآن اور قرآن کے علاوہ جو علوم و معارف اور وحی کے بواطن اور ظواہر عطا فرمائے ہیں لوگوں سے چھپا کر نہیں رکھتے بلکہ بے کم و کاست بیان کر دیتے ہیں (66)۔ لفظ نبوت کا یکے از معانی کثیرہ ایک مطلب غیب کی خبریں دینا ہوتا ہے۔ آپ وہ بھی چھپا لیں یہ ممکن ہی نہیں ہو سکتا دوسرے لوگ اپنے علوم کے بارے میں اس عیب کا شکار ہو سکتے ہیں کہ کسی لالچ اور حرص و لالچ میں اپنے علم کو چھپا لیں لیکن پیغمبر کا سینہ تو معارف الٰہیہ کا بے کراں سمندر ہوتا ہے۔ وہ جود و سخا کے ساتھ علوم کا فیض بانٹتا ہے۔ دراصل یہ آیت مشرکین کے ایک الزام اور تہمت کا جواب ہے اس لئے کہ وہ کہتے تھے پیغمبر کاہن ہیں جو حرص لالچ میں علم کو پہلے چھپاتے ہیں بعد ازاں کچھ مال بٹور کر اپنی معلومات ظاہر کر دیتے ہیں۔ رب کریم نے ان خیالی اور دور از کار باتوں کی سختی سے مذمت کی اور مقام رسالت واضح کیا اور بتایا کہ پیغمبر ہوتا ہی وہ ہے جو اللہ کے اذن سے غیب جانتا ہے اور صرف جانتا ہی نہیں وہ علم کی تقسیم بھی کرتا ہے۔ رسول اور نبی کا کام ہی یہی ہوتا ہے کہ وہ اللہ سے جو کچھ حاصل کرے اسے ضرورت مندوں بلکہ سب انسانوں کے سامنے کھول کر رکھ دے تا کہ لوگ راہ ہدایت پا سکیں۔ باقی رہا یہ کہ ایک مفسر نے جو جھک ماری ہے (67) کہ "ضـــــنین" کا معنیٰ بخیل نہیں حریص ہے۔ اصل میں اندھے کو اندھیرے میں بڑی دور کی سوجھی۔ وہ آیت کا معنیٰ یہ کرتے ہیں کہ نبی کو غیب حاصل کرنے کا کوئی شوق نہیں ہوتا کہ وہ کاہنوں کی طرح غیبی علوم کی بھنک لگا تا پھرے معاذ اللہ! وحی کے ساتھ شوق یا عدم شوق کا کیا تعلق ہے۔ بات یہ ہے کہ یہ کلام اللہ رب العلمین کا ہے یعنی اللہ فرما رہا ہے کہ نبی غیب کے بارے میں "ضنین" نہیں یعنی بخیل نہیں۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے مصحف میں "ضـــــنین" کی قرأت ظنین بھی کی گئی ہے (68)۔ رازی نے اس کا معنیٰ اتہام کیا ہے۔ دریں صورت غیب سے مراد قرآن حکیم ہے اس صورت میں آیت کا مفہوم یہ ہوگا کہ قرآن مجید کے معاملہ میں حضور ﷺ پر کوئی تہمت نہیں کہ انہوں نے وحی میں کوئی رد و بدل یا تغیر کیا ہے، وہ امین رسول ہیں انہوں نے من و عن جیسے اللہ سے قرآن حکیم پایا اسی طرح پہنچایا، ابو عبیدہ نے اسی قول کو اختیار کیا لیکن جمہوریت کے نزدیک قرأت "ضنین" ہی ہے (69)۔

وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَيْطَانٍ رَّجِيمٍ ۝

"اور وہ دھتکارے شیطان کا قول نہیں"۔

"وما ھو" کا اشارہ قرآن مجید کی طرف ہے آیت حضور ﷺ پر ایک الزام اور تہمت کا برجستہ جواب ہے۔ مشرکین اور منکرین جس وقت قرآن حکیم کا معجز کلام سنتے تو بہانہ جوئی اور مکارانہ اعراض کے لئے کہہ دیتے کہ محمد ﷺ معاذ اللہ! کاہن ہیں۔ یہ جو کچھ بیان کرتے ہیں شیطان سے لے کر بیان کرتے ہیں۔ قرآن مجید اس آیت میں ان شیطانی باتوں کی تردید کرتا ہے اور صاف اور شستہ بیان دیتا ہے کہ یہ بات راندے ہوئے شیطان کی نہیں ہے۔ شیطان کی ہر بات جھوٹی ہوتی ہے اور قرآن کا ہر بیان صدق اور راستی ہوتی ہے۔ شیطان وسوسوں اور شبہات کا معلم ہے اور قرآن یقین اور اعتقاد صحیحہ کا داعی ہے۔ شیطان نفسانی خواہشات میں انکار کا ہیجان پیدا کرتا ہے اور قرآن تسلیم و رضا کی خو پیدا کرتا ہے۔ شیطان سرکشی اور ڈھٹائی کی تاریخ رکھتا ہے اور قرآن سرکشیوں کے سر پر ایمان کے کوڑے برساتا ہے۔ شیطانی کلام غلطیوں

کا آمیزہ ہوتا ہے اور قرآن کا اعجاز یہ ہے کہ اس میں ایک غلطی بھی موجود نہیں۔ شیطان کا گزر دلوں کے اس نگر میں ہوتا ہے جہاں باطل میلانات کی مسند بچھائی جاتی ہے۔ محمد ﷺ کا مبارک دل جہاں رحمت کی آماجگاہ رکھی گئی ہے، نور کا چراغاں کیا گیا ہے۔ کرم کی حسن افزائیاں کی گئی ہیں اور قرب الٰہیہ کے ابواب کھولے گئے ہیں وہاں شیطان کا کیا کام ہے۔ شیطان تو غلامان رسول کے دلوں پر اپنی سلطانی کی دھاک نہیں بٹھا سکتا ہے۔ محمد ﷺ تو آقائے مقبلاں ہیں۔ قرآن جس دل پر اترا ہے وہاں عفت وحفاظت اور عصمت ونگہبانی کی نوری باڑیں اگائی گئی ہیں۔ جو بھی شیطان ادھر کا ارادہ کرے نوری شہاب اس کی سرکوبی کے لئے موجود ہیں۔ شیطان کے ساتھ رجیم لفظ اس بدطینت مخلوق کے لئے سنگ زنی کی تاریخ اور حقیقت بیان کرتا ہے واللہ اعلم۔

فَاَيْنَ تَذْهَبُوْنَ ﴿٢٦﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿٢٧﴾

"پھر تم کہاں جا رہے ہو، وہ نہیں ہے مگر سب جہانوں کے لئے ذکر"۔

قرآن مجید کی یہ آیات سورہ تکویر کے تمام مضامین کو ایک داعی بنا دیتی ہے۔ ایک ایک لفظ ذہن اور شعور کو مخاطب کرتا ہے۔ لگتا ہے معانی کی زنجیروں نے منکرین کے احساسات کو جکڑ لیا ہے۔ وہ بھاگنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن قرآن ان کی حس اور وجدان کی تہہ میں اتر جاتا ہے۔ ایک دردمند مسیحا کی طرح انہیں مخاطب کرتا ہے "تم کہاں جا رہے ہو"۔۔۔؟ دیکھو ہدایت کا تمہارا راستہ وہی ہے جو رسول کریم ﷺ لے کر آئے ہیں۔ غیوب وشہود کے خزانے انہی کے ہاتھ میں ہیں۔ ان کا لطیف اور محبت آمیز تعلق اپنے اللہ سے ہے اور قدرت الٰہیہ نے کریم رسول کی زندگی کا ایک ایک لمحہ معجزہ بنا دیا ہے۔ آپ نے تبلیغ کی راہوں میں کبھی بخل نہیں برتا ہے۔ وحی کا ایک ایک لفظ کلی امانت کے ساتھ تم تک پہنچایا ہے۔ ان حالات میں تم کہاں جا رہے ہو۔ کیا کوئی اور ہدایت کا راستہ موجود ہے؟ قطعاً نہیں تمام عوالم کا تذکیری دستور تو قرآن حکیم ہے۔ اب تورات کی خوشبو، انجیل کا نور، زبور کی نغمگی اور پہلے صحیفوں کا رنگ سمٹ کر قرآن مجید میں آ گیا ہے۔ اب قافلہ آدمیت کے کسی فرد کو دھر ادھر نہیں دیکھنا چاہیئے اب حسن یوسف کے جلوے، نالہ آدم کا سوز، دعوت نوح کی استقامت، یقین ابراہیم کی معراج، سپاس اسماعیل کی تاریخ اور اعجاز عیسیٰ کی معنویت سب کچھ اور سب کچھ پھر سب کچھ اس ذکر میں آ چکا ہے جس کا نزول قلب محمد ﷺ پر ہوا ہے۔ قرآن حکیم کا عالمین کے لئے نصیحت نامہ ہونا ایسے لگتا ہے کہ جیسے کائنات کی ہر چیز قرآنی حروف کی کیلوں سے باندھ دی گئی ہے اور وہ رسی جس نے سب کو جکڑا پکڑا ہوا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت ہے، محمد ﷺ کی رحمت اور قرآن مجید کی تذکیر ہے۔

اللہ رب العالمین ہے۔۔۔!

محمد ﷺ رحمۃ للعالمین ہیں۔۔۔!

اور قرآن مجید ذکر للعالمین ہے۔

قرآن مجید کی یہ دو آیتیں، مقاصد قرآن کا سندر بول ہیں جن کی تازگی قیامت تک اسلامیان عالم محسوس کرتے رہیں گے۔

لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّسْتَقِيْمَ ﴿٢٨﴾

"اس کے لئے جو تم میں سے صحیح ہونا چاہے"۔

قرآن تمام جہانوں کے لئے ذکر وتذکیر کی مشعلیں روشن کئے ہوئے ہے لیکن اس سے فائدہ وہی لوگ اٹھا سکتے ہیں جو خود چاہیں کہ وہ استقامت سے قرآن کی راہ پر چلیں۔ صراط مستقیم کی ہر راہ قرآن روشن کرتا ہے لیکن ہدایت کے روشن نشانات سے جو خود منہ موڑ لے، اعراض برتے، بے رخی کا مظاہرہ کرے اور عملاً کفر کی راہ اختیار کرے، محرومیاں اس کا مقدر بن جاتی ہیں۔ قرآن برملا اس بات کا اظہار کرتا ہے کہ ذکر کی شمع روشن ہے اور ہدایات کے نشانات قائم اور ثبت ہیں لیکن یہ دولت صرف اس شخص کے مقدر میں ہے جو توکل علی اللہ کی راہ لے۔ سینہ میں ارادت سجائے اور ٹھیک ہونا، درست رہنا اور اصلاح چاہنا اس کی امنگ ہو۔

قرآن ساحری نہیں صداقت کا خوبصورت اور منور فانوس ہے اس کی روشنی طلب کرنا بہترین دین ہے۔ جس دل میں طلب اور تلاش منگ اور آرزو بن کر موجود ہے وہ دل بہترین دل ہے۔ دین اور دنیا دونوں کی کامیابیاں، سربلندیاں اور سرفرازیاں قرآن کے ساتھ ساتھ چلنے میں ہیں۔ کمال تک رسائی کے لئے صرف یہی راہ ہے، صرف یہی راہ۔ اس پر چل کر اللہ کو راضی کیا جا سکتا ہے۔ اس واضح اور شفاف راستے سے منحرف ہونے والے کے پاس کوئی دلیل، کوئی عذر اور کوئی سند موجود نہیں البتہ ارادوں میں قوت بھی اللہ خود ہی عطا کرتا ہے۔ قرآن حکیم اپنے قاری کو بھٹکنے نہیں دیتا۔ سچے ارادوں کی دولت رکھنے والوں کو مالک ہدایت خیالوں کے گناہ سے بھی محفوظ رکھتا ہے۔ سورہ تکویر کی آخری آیت اسی نعمت کا نور قرآن پڑھنے والوں کو عطا کرتی ہے اور ایک مستحکم عقیدہ پر ان کی گرفت مضبوط ہو جاتی ہے۔

وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۹﴾

''اور تم نہیں چاہ سکتے بجز اس کے جو اللہ چاہے وہ جو جہانوں کا پروردگار ہے''۔

سورہ تکویر کی آخری آیت ارادوں کی روحانی برکت اور منطق بیان کرتی ہے۔ پہلے کہا گیا کہ راہ ہدایت پر استقامت سے چلنا تمہارے ارادوں کی قوت سے ممکن ہے۔ اس آیت میں ارادوں کی آماجگاہ سجانے کی اصل بھی بتادی گئی کہ ارادے بھی اللہ ہی کے اذن وعطا سے ممکن ہوتے ہیں انسان کے پاس جو کچھ ہے جسم اور بدن، احساس اور وجدان، عقل اور خرد، طاقت اور توانائی اور ارادے اور نیتیں اللہ ہی کی طرف سے ہیں اور یہ یقین اور ایمان اچھے ارادوں کا محرک ہیں۔

روح المعانی میں علامہ آلوسی لکھتے ہیں جب اس آیت سے پہلی آیت نازل ہوئی تو سرکشوں کے سرغنہ ابوجہل نے کہا، لو اچھا ہوا تمام اختیارات ہمیں دے دیئے گئے۔ اسی موقع پر دوسری آیت نازل ہوئی جس میں کہہ دیا گیا کہ تم ارادوں کا پھل کھا سکتے ہو لیکن اس پھل والا درخت جہانوں کے پالن ہار کا ارادہ ہے۔ آیت میں رب العالمین کی تعبیر جاذب توجہ بن جاتی ہے کہ جو لانگاہ حیات میں ارتقا اور تربیت اللہ کی ربوبیت ہی سے ممکن ہے۔ سورت کا عمود اللہ کا رب ہونا ہے۔ تکوین اور تشریع کے حوالے سے اس قرآنی حصہ میں جو بھی بیان ہوا ہے۔ وہ قرآنی نظام پر ایمان سازی اور عمل صالح اور استحکام روحانیت کے لئے بیان ہوا۔ ربوبیت کے شاہکار اصول یہی ہیں۔

اللہ رب العالمین ہے

محمد ﷺ رحمت للعالمین ہیں

قرآن ذکر للعالمین ہے

صبح کی نماز کے لئے موذن اذان دے رہا ہے۔ منادی حق کی دل نشین آواز قلب و روح میں اتر رہی ہے۔ بدن سجدے گزارنے کے لئے تڑپنے لگا ہے۔ اسی لطیف لمحے میں سورہ تکویر کی تفسیر اللہ کے حکم سے اختتام پذیر ہوئی ہے۔

سورج کو لپیٹنے والے!

ستاروں کی مشعلیں منکدر کرنے والے!

ثابت پہاڑوں کو سیار بنا دینے والے!

صحراؤں کو مسخر کرنے والی اونٹنیوں کی سعی کو معطل کر

دینے والے!

جانوروں، پرندوں اور چرندوں کو اکٹھا کرنے والے!

سمندروں میں پانی کی جگہ آگ بھڑکا دینے والے!

انسانی قافلوں کو خیر اور شر کی بنیاد پر محشور کرنے والے!

آسمانوں کی کھال اتار دینے والے!

رب

چلنے والے ستاروں کے رب!

پلٹنے والے نجوم کے رب

رواں دواں سیاروں کے رب

ہرنوں کی طرح اچھلتے کودتے ستاروں کو پیدا کرنے

والے خالق

اور

مالک!

رات کو پیٹھ کے بل بازگشت دینے والے خدا!

صبح کو سانسوں کی تازگی بخشنے والے الٰہ!

انسانی ہدایت کے لئے نظام رسالت دینے والے

منان ومحمود!
ذوالعرش کی عزتوں کے پیام بر کو مبعوث کرنے والے!
"مطاع وامین" کے نعمتیں بانٹنے والے منعم
علوم غیب میں بخیلی نہ کرنے والے رسول کے مسجود!
بگڑے بگڑے معاشرے کو اپنی آواز لطیف سے
بازگشت دینے والے مالک
تمام جہانوں کے لئے
تمام جہانوں کے قلب رحمت پر
نصیحت و پند اتارنے والے
رب! مالک! خالق!
محمود!
راقم مسکین!
اور قرآن کے قاری عظیم!
ہر دھڑکتے دل میں اپنے لئے ارادت سجا دے۔
دینے والا تو تو ہی ہے
نیتوں میں استحکام بخش!
اپنے پیارے رسول سے رشتہ محبت واطاعت مضبوط فرما۔
دہشتوں کو رحمت سے بدل!
وحشتوں کو سکون کا روپ دے۔
ہم مشت غبار ہیں!
اپنا عشق دروں
ہماری خاک وجود میں ایسے سمو
کہ
ہم صرف تیرے ہو جائیں
اور تیرے رسول کے ہو جائیں
گناہ بخش دے، عشق عطا کر عمل کا معجزہ
تازہ زندگی کی جلوہ گری کرے
امین یارب العالمین!
اپنے نبی اور ان کی آل پر درود اور سلام بھیج

☆☆☆

حوالہ جات

1۔ تفسیر فتح العزیز: شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی، ایضاً تفسیر کبیر: رازی، ایضاً الجامع لاحکام القرآن: قرطبی
2۔ حیات بعد الممات: سلطان بشیر
3۔۔۔۔۔۔
4۔ سورہ۔۔۔۔۔
5۔ تفسیر قرآن: ابن کثیر ایضاً زاد المسیر: ابن جوزی ایضاً الجامع لاحکام القرآن: قرطبی ایضاً مواہب الرحمٰن ایضاً مجمع البیان وغیرہ

6۔سورہ مرسلات:8

7۔سورہ انفطار:2

8۔تفسیر کبیر:فخر الدین رازی ایضاًسراج:خطیب شربنی

9۔القارعہ:5

10۔سورہ طٰہ105-106

11۔الواقعہ:5,6

12۔الحاقہ:14

13۔النبا:20

14۔تفسیر فی ظلال القرآن:سید قطب

15۔حاشیہ کنز الایمان:نعیم الدین مراد آبادی

16۔لسان العرب:ابن منظور

17۔روح المعانی:آلوسی ایضاًرازی ایضاً قرطبی ایضاً شیخ زادہ ایضاًالتفسیر الواضح

18۔مجمع البیان:طبرسی

19۔نمونہ:اصحاب تفسیر

20۔تفسیر القرآن:ابن کثیر

21۔تفسیر ابن جریر:طبری،ایضاً فخر الدین رازی

22۔الانعام:38

23۔حیات بعد الموت:ڈاکٹر سلطان

24۔تفسیر کبیر:فخر الدین رازی

25۔تفسیر قشیری:امام قشیری ایضاًالسراج:خطیب شربنی

26۔تفسیر القرآن الحکیم:ابن کثیر

27۔روح البیان:اسماعیل حقی،ایضاًابن کثیر

28۔تفسیر القرآن:ابن کثیر

29۔تفسیر القرآن:ابن کثیر

30۔روح البیان:اسماعیل حقی

31۔خزائن العرفان:نعیم الدین مراد آبادی ایضاً فخر الدین رازی ایضاً ابن جریر ایضاً سیوطی ایضاً ابن کثیر ایضاً قرطبی ایضاً

32۔الواقعہ:7

33۔تفسیر القرآن الحکیم:ابن کثیر ایضاً قرطبی ایضاً رازی ایضاً مواہب

34۔تفسیر القرآن:ابن کثیر

35۔خزائن العرفان:نعیم الدین مراد آبادی ایضاً ابن کثیر ایضاً تفہیم القرآن ایضاً رازی

36۔خزائن العرفان:نعیم الدین مراد آبادی ایضاً قرطبی ایضاً ابن کثیر ایضاً آلوسی ایضاً مواہب

37۔تاج العروس:زبیدی حنفی ایضاًلسان العرب ایضاً تہذیب اللغۃ

38۔تفسیر القرآن:ابن کثیر

39۔بنی اسرائیل:14

40۔تفسیر کبیر:فخر الدین رازی

41۔السراج:خطیب شربنی

WWW.NAFSEISLAM.COM

42۔تفسیر القرآن:ابن کثیر ایضاً ابن جریر
43۔تفسیر القرآن:ابن کثیر
44مواہب الرحمٰن:سید امیر علی
45الجامع لاحکام القرآن:قرطبی
46۔السراج:خطیب شربینی
47۔تفسیر القرآن:ابن کثیر،ابن جریر،سیوطی وغیرہم
48۔توبہ:49
49۔تفسیر کبیر:فخر الدین رازی
50۔لسان العرب:ابن منظور ایضاً رازی ایضاً آلوسی ایضاً قرطبی ایضاً تہذیب اللغۃ
51۔تفسیر القرآن:ابن کثیر
52۔فی ظلال القرآن:سید قطب
53۔تفسیر القرآن:ابن کثیر
54۔تفسیر مظہری:قاضی ثناءاللہ پانی پتی
55۔المفردات:راغب
56۔انشراح:4
57۔الضحیٰ:3
58۔سوری الکوثر:5
59۔معالم التنزیل:بغوی
60۔تفسیر مظہری:قاضی ثناءاللہ پانی پتی
61۔تفسیر مظہری:قاضی ثناءاللہ پانی پتی ایضاً روح المعانی آلوسی
62۔فتح الباری ص494 جلد8:ابن حجرعسقلانی ایضاً عمدۃ الباری
63۔تفسیر کبیر:رازی ایضاً آلوسی ایضاً جلالین ایضاً بغوی ایضاً روح البیان
64۔لسان العرب:ابن منظور
65۔تاج العروس:زبیدی حنفی
66۔تفسیر کبیر:رازی ایضاً آلوسی ایضاً ابوحیان اندلسی ایضاً ابن عطیہ
67۔تدبر قرآن:امین اصلاحی
68۔تفسیر القرآن:ابن کثیر
69۔تفسیر کبیر:فخر الدین رازی

☆☆☆

درس حدیث

عشرہ مبشرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم

عن عبدالرحمن بن عوفؓ ان النبیﷺ قال ابو بکر فی الجنة وعمر فی الجنة وعثمان فی الجنة وعلی فی الجنة وطلحة فی الجنة والزبیر فی الجنة وعبدالرحمن بن عوف فی الجنة وسعد بن ابی وقاص فی الجنة وسعید بن زید فی الجنة وابو عبیدہ بن جراح فی الجنة (جامع ترمذی)

مفتی محمد صدیق ہزاروی

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف ﷺ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ابوبکر جنت میں جائیں گے، عمر جنتی ہیں، عثمان جنت میں داخل ہوں گے، علی جنتی ہیں، طلحہ جنت میں ہوں گے، زبیر جنت میں جائیں گے، عبدالرحمٰن بن عوف جنتی ہیں، سعد بن ابی وقاص جنت میں داخل ہوں گے، سعید بن زید جنت میں جائیں گے اور ابوعبیدہ بن جراح جنتی ہیں (رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین)

اس حدیث کو امام ابن ماجہ نے سنن ابن ماجہ میں حضرت سعید بن زید ﷺ کی روایت سے نقل کیا ہے۔

رسول اکرم ﷺ نے اس حدیث میں اپنے دس جلیل القدر صحابہ کرام کو جنت کی خوشخبری دی ہے اس لئے ان خوش نصیب حضرات کو عشرہ مبشرہ کہا جاتا ہے۔ عشرہ کا معنی دس اور مبشرہ وہ لوگ جن کو خوشخبری دی گئی یہ لفظ یعنی مبشرہ لفظ بشارت سے بنا ہے جس کا معنی خوشخبری ہے۔

اس حدیث شریف میں چند امور قابل غور ہیں:

پہلی بات یہ ہے کہ جنت میں جانے کے بارے میں قرآن مجید اور احادیث مبارکہ میں قواعد وضوابط بیان کئے گئے ہیں، ایک کسوٹی مقرر کی گئی ہے جو اس پر پورا اترے گا وہ جنتی ہوگا اور جو اس پر پورا نہیں اترے گا وہ جہنمی ہوگا اور وہ دو باتیں ہیں:

(۱) عقائد کی درستگی (۲) اعمال صالحہ

اور ان دونوں باتوں کی بنیاد خوف آخرت ہے، بارگاہ ربوبیت میں حاضری کا ڈر ہے۔

ارشاد خداوندی ہے:

وامامن خاف مقام ربه ونهى النفس عن الهوىٰ فان الجنة هي الماوىٰ (النازعات:40)

''اور وہ جو اپنے رب کے حضور کھڑا ہونے سے ڈرا اور نفس کو خواہش سے روکا تو بے شک جنت ہی (اس کا) ٹھکانہ ہے''۔

قرآن مجید میں اس کے علاوہ بے شمار آیات میں جنت کے حصول کا راستہ بتایا گیا ہے۔

گویا شخصیات کا تعین کرنے کی بجائے شرائط کا ذکر کیا گیا کہ جو شخص ان شرائط پر پورا اترے گا وہ جنتی ہوگا لیکن رسول کریم ﷺ نے جہاں ان امور کا ذکر فرمایا جن کا حصول دخول جنت کا باعث بنتا ہے، وہاں کچھ شخصیات کا تعین بھی فرمایا اور ان کے نام لے کر ان کے جنتی ہونے کا اعلان کیا جس طرح مندرجہ بالا حدیث پاک سے ظاہر ہے لہٰذا معلوم ہوا کہ رسول اکرم ﷺ کو بارگاہ خداوندی سے اختیارات حاصل ہیں جس کے لئے چاہیں جنت کا تمغہ اس کے سینے پر سجادیں اور جسے چاہیں جہنم کا پروانہ دے دیں۔

علاوہ ازیں اس سے نبی کریم ﷺ کے علم مبارک کی وسعت کا بھی پتہ چلتا ہے کوئی شخص کسی کے جنتی اور جہنمی ہونے کی خبر نہیں دے سکتا کیونکہ یہ غیبی خبر ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کریم ﷺ کو غیبی امور پر مطلع فرمایا اور آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی عطا سے مستقبل کی باتیں بتائیں اور جن باتوں تک عقل وحواس کی رسائی ممکن نہیں آپ ﷺ نے ان کی خبر دی اس پر بے شمار احادیث مبارکہ شاہد ہیں۔

دوسری بات یہ کہ جب کوئی شخص کچھ افراد کی فہرست ذکر کرتا ہے اور وہ خود بھی ان افراد میں شامل ہوتا ہے تو اس کی دو صورتیں ہوتی ہیں، اگر وہ متکبر ہے تو سب سے پہلے اپنا نام ذکر کرے گا اور اگر متواضع ہے تو اپنا نام سب سے آخر میں ذکر کرے گا۔

اس حدیث کے راوی حضرت عبدالرحمٰن بن عوف ﷺ صحابی رسول ہونے کی وجہ سے سراپا تواضع تھے اور انہیں اپنا نام آخر میں ذکر کرنا چاہئے تھا لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ ان کا نام نہ تو شروع میں ہے اور نہ آخر میں بلکہ ان کا نام ساتویں نمبر پر ہے۔

اس سے ثابت ہوا کہ انہوں نے روایت حدیث میں اسی ترتیب کو اختیار کیا جس ترتیب سے رسول اکرم ﷺ نے خود بیان فرمایا:

معروف محدث حضرت ملاعلی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

الظاهران هذا الترتيب هو المذكور على لسانه ﷺ كما يشعر اليه ذكر اسم الراوى بين الاسماء والا كان مقتضى التواضع ان يذكر فى آخرهم فينبغى ان يعتمد عليه فى ترتيب البقية من العشرة۔

(حاشیہ مشکوٰۃ شریف بحوالہ مرقات از ملاعلی قاری رحمۃ اللہ علیہ صفحہ مشکوٰۃ شریف 566 باب مناقب العشرہ حاشیہ 5)

ظاہر ہے کہ یہی ترتیب رسول اکرم ﷺ کی زبان فیض ترجمان سے ذکر کی گئی جس طرح اس بات کی طرف راوی کا نام دیگر ناموں کے درمیان میں ہونے سے اشارہ ملتا ہے ورنہ تواضع کا تقاضا یہ تھا کہ وہ اپنا نام ان سب کے آخر میں ذکر کرتے پس ان دس میں سے سب باقی صحابہ کرام کی ترتیب میں اسی بات پر اعتماد کیا جائے۔

ایک دوسری حدیث میں رسول کریم ﷺ نے بعض صحابہ کرام کے فضائل، مناقب کو یوں بیان فرمایا:

عن انس عن النبى ﷺ قال ارحم امتى بامتى ابو بكر واشدهم فى امر الله عمر واصدقهم حياء عثمان

وافرضهم زید بن ثابت واقرأهم ابی بن کعب واعلمهم بالحلال والحرام معاذ بن جبل ولکل امة امین وامین هذه الامة ابو عبیدہ بن جراح ۔۔۔ (مشکوٰۃ المصابیح حوالہ مذکورہ بالا)

حضرت انس ﷺ رسول کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا میری امت میں سے میری امت پر سب سے زیادہ رحم کرنے والے ابو بکر ہیں اور اللہ تعالیٰ کے معاملہ (دین) میں سب سے زیادہ سخت عمر ہیں۔ حیاء کے اعتبار سے ان میں سے سب سے سچے عثمان ہیں۔ علم فرائض (وراثت کے مسائل) کے سب سے بڑے عالم حضرت زید بن ثابت ہیں۔ تمام صحابہ کرام میں سے سب سے بڑے قاری ابی بن کعب ہیں۔ حلال وحرام کا سب سے زیادہ علم رکھنے والے معاذ بن جبل ہیں، ہر امت کا ایک امین ہوتا ہے اور اس امت کے امین ابو عبیدہ بن جراح ہیں۔۔۔ (رضی اللہ علیہم اجمعین)

ایک اور روایت میں جسے حضرت قتادہ ﷺ نے روایت کیا، یوں ہے" واقضاهم علی" اور ان میں سے سب سے بڑے قاضی حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم ہیں (حوالہ مذکورہ بالا) اسی لئے حضرت عمر فاروق ﷺ فرمایا کرتے تھے" علی اقضانا "حضرت علی المرتضیٰ شیر خدا ﷺ ہم میں سے سب سے بڑے قاضی ہیں۔

احادیث مبارکہ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مختلف صحابہ کرام کے لئے ان کی انفرادی خصوصیات ذکر فرمائی ہیں اور وہ صحابی اس صفت میں باقی تمام صحابہ کرام سے مقدم ہیں۔ جس طرح اس حدیث میں مختلف صحابہ کرام کی مختلف صفات کا ذکر کیا گیا ہے دیگر احادیث میں یہ بات بیان ہوتی ہے مثلاً آپ نے فرمایا "طلحة والزبیر جار ای فی الجنة" حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما جنت میں میرے پڑوسی ہوں گے۔ (حوالہ مذکورہ بالا) حضرت سعد بن ابی وقاص ﷺ نے حضرت سعد ﷺ کے بارے میں دعا مانگی" اللهم ستجب سعد اذا دعاك" یا اللہ حضرت سعد ﷺ کی دعا قبول فرما وہ جب بھی دعا مانگیں۔ (حوالہ مذکورہ بالا)

اس طرح کی دیگر کئی احادیث ہیں۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی ﷺ " علی اقضاهم" پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

هذه منقبة عظیمة لان القضاء بالحق والفصل بینه وبین الباطل یقتضی علما کثیرا وقوة عظیمة فی النفس۔۔

(حضرت علی المرتضیٰ ﷺ کی) یہ عظیم منقبت ہے کیونکہ حق کے ساتھ فیصلہ کرنا اور حق وباطل کے درمیان فیصلہ کرنا کثرت علم اور نفس میں بہت بڑی قوت کا متقاضی ہے (لمعات شرح مشکوٰۃ)۔

گویا حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس بات کو واضح کیا کہ حضرت علی المرتضیٰ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے بے شمار علم بھی عطا کیا اور قوت فیصلہ بھی عطا فرمائی اور اس طرح آپ تمام صحابہ کرام کے مقابلے میں سب سے بڑے قاضی قرار پائے۔

حضرت شیخ محقق رحمۃ اللہ علیہ اس کے بعد فرماتے ہیں:

"هذا الحدیث صریح فی تعدد جهات الخیر فی الصحابة واختصاص بعضها ببعض لکنهم حکموا بفضیلة کثرة الثواب عند الله علی الترتیب"

یہ حدیث صراحتاً اس بات کو بیان کرتی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں بھلائی کی جہات متعدد ہیں اور بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بعض جہات کے ساتھ ہیں لیکن انہوں نے (علماء کرام نے) اس بات کا فیصلہ دیا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں کثرت ثواب کی فضیلت کا دارومدار ترتیب پر ہے یعنی جس ترتیب سے رسول کریم ﷺ نے ان صحابہ کرام کا ذکر کیا ہے اسی ترتیب سے ان کو کثرت ثواب کی فضیلت حاصل ہوگی۔

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ جہاں چند صحابہ کرام کا اکٹھا ذکر ہوتا ہے اور اس میں حضرت صدیق اکبر ﷺ بھی شامل ہوتے ہیں تو رسول کریم ﷺ آپ کا ذکر سب سے پہلے کرتے ہیں۔

جس طرح مذکورہ بالا دونوں حدیثوں سے واضح ہے۔

چنانچہ قرآن مجید میں انبیاء کرام کے بعد صدیقین کا ذکر کیا۔ ارشاد خداوندی ہے:

ومن یطع الله والرسول فاولئك مع الذین انعم الله من النبیین والصدیقین والشهداء والصالحین وحسن اولئك رفیقا۔ (نساء:69)

"جو اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانے تو اسے ان کا ساتھ ملے گا جن پر اللہ نے فضل کیا یعنی انبیاء اور صدیق اور شہید اور نیک لوگ یہ

کیا ہی اچھے ساتھی ہیں"۔

اور حضرت ابوبکر ﷛ کو صدیق کا لقب عطا کیا گیا بلکہ آپ کو اصدق الصدیقین کی منزل عطا کی گئی۔ یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ اگر چہ انفرادی طور پر مختلف صحابہ کرام کو مختلف خصوصیات حاصل ہیں جو دیگر صحابہ کرام کو ودیعت نہیں کی گئیں لیکن اجتماعی طور پر افضلیت کا سہرا حضرت صدیق اکبر ﷛ کے سرانور پر سجایا گیا اور آپ انبیاء کرام کے بعد افضل البشر قرار پائے۔ اہل سنت و جماعت کا یہی عقیدہ ہے۔ صدر الشریعہ حضرت مفتی امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مشہور زمانہ تصنیف "بہار شریعت" کے پہلے حصہ (حصہ عقائد) میں لکھا ہے کہ خلفائے اربعہ یعنی خلفاء راشدین کی فضیلت خلافت کی ترتیب سے ہے۔

گویا آپ نے واضح فرمایا کہ مجموعی فضائل کے اعتبار سے حضرت ابوبکر صدیق ﷛ کو تمام صحابہ کرام پر فضیلت میں سبقت حاصل ہے۔۔۔۔ واللہ اعلم بالصواب

☆☆☆

ڈاکٹر ظفر اقبال نوری

مزاروں کے مجاور یا علم وعرفان کے شناور

تصوف کی اصطلاح اگرچہ دورِ رسالت اور عہد صحابہ میں موجود نہ تھی مگر اس کی روح اور حقیقت ''تبتل'' اور ''احسان'' کی صورت میں اوائل اسلام ہی سے جلوہ گر تھی۔ یہ روح تصوف ہی تھی جس کا حکم قرآن حکیم ''و تبتل الیہ تبتیلا'' (اور سب سے ٹوٹ کر اسی کے ہو رہو) کے الفاظ سے فرمار ہاتھا۔ یہ تصوف ہی تھا جس کا سبق قرآن مجید ''و ھو معکم این ما کنتم'' (وہ اللہ تمہارے ساتھ ہے تم جہاں کہیں بھی ہو) اور ''فی انفسکم افلا تبصرون'' کے محبت خیز لفظوں میں دے رہا تھا۔ یہ حقیقت تصوف ہی تھی جب رسول حکمت، پیغمبر روحانیت حضرت محمد ﷺ حضرت جبرائیل امین علیہ السلام کے سوال کے جواب میں ارشاد فرمار ہے تھے کہ ''احسان یہ ہے کہ تو اللہ کی اس طرح عبادت کرے جیسے اپنی آنکھوں سے اسے دیکھ رہا ہے اور اگر اسے نہ دیکھ سکو تو اس طرح عبادت کرو کہ گویا وہ تمہیں دیکھ رہا ہے''۔ تصوف اپنی اصل کے اعتبار سے دورِ رسالت میں بھی موجود تھا اور دور اصحاب رسول میں بھی۔ یہ تصوف ہی تھا جس نے اہل اسلام کے سینوں میں حب خدا اور عشق رسول ﷺ کا ایسا ذوق وشوق پیدا کر دیا کہ کوئی بھی فتنہ انہیں اسلام کی حقیقت سے دور نہ لے جاسکا۔

یہ تصوف ہی تھا جس نے مسلمانوں کے سیاسی زوال کے دور میں بھی انہیں اپنے دین اور ایمان کے بارے میں بے یقین ہونے سے بچائے رکھا۔ بقول پروفیسر خلیق احمد نظامی ''یورپ کے مستشرق جب اسلامی تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں تو انہیں یہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ مسلمانوں کا سیاسی زوال کبھی بھی ان کے دینی نظام کو تباہ نہ کر سکا''۔ ہالینڈ کے ایک فاضل ''لوک کارو'' نے دبے انداز میں اس بات پر استعجاب کا اظہار کیا ہے کہ ''گو اسلام کا سیاسی زوال تو بار ہا ہوا لیکن روحانی اسلام میں ترقی کا سلسلہ ہمیشہ جاری رہا'' (تاریخ مشائخ چشت)۔

عصر حاضر کے معروف صوفی مفکر جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مقالے ''اسلام اور تصوف'' میں مشہور مستشرق گب (GIBB) کی آکسفورڈ یونیورسٹی میں کی گئی تقریر کا حوالہ دیا ہے جس میں مسٹر گب نے کہا ''تاریخ اسلام میں بار ہا ایسے مواقع آئے ہیں کہ اسلام کے کلچر کا شدت سے مقابلہ کیا گیا لیکن بایں ہمہ وہ مغلوب نہ ہو سکا۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ تصوف یا صوفیاء کا انداز فکر فوراً اس کی مدد کو آجاتا تھا اور اس کو اتنی قوت اور توانائی بخش دیتا تھا کہ کوئی طاقت اس کا مقابلہ نہ کر سکتی تھی''۔ لیکن اب حالات بدل گئے ہیں۔ ہمارے اپنے عہد میں مسلمانوں کی شکست اور ناکامیوں پر غور کرنے والے ہمارے اپنے جدید مفکرین سارا ملبہ تصوف اور اہل تصوف پر گرارہے ہیں۔ ان کے نزدیک مسلم امہ کے اسباب زوال میں تصوف سرفہرست ہے۔ کیا خوب کہا تھا صہبا اختر نے:

دیوار کیا گری مرے کچے مکان کی
لوگوں نے میرے صحن میں رستے بنا لئے

اس میں کوئی شک نہیں کہ گزشتہ صدی کے ربع اول میں خلافت عثمانیہ کے خاتمے کے ساتھ ہی مسلم ملت کا زوال مکمل ہو گیا تھا۔ اسباب زوال کا تجزیہ کیا جانا چاہئے تھا اور کیا بھی گیا۔ لیکن افسوس اس بات کا ہے کہ اپنے حال سے گھبرائے ہونے اور اپنے مستقبل سے مایوس بعض تجزیہ نگار ہمیں ہمارے ماضی سے بھی بدظن کرنے لگے۔ محمد بن قاسم، محمود غزنوی، صلاح الدین ایوبی، طارق بن زیاد عسکریت پسند شمار ہونے لگے۔ اسلامی فتوحات اور نو آبادیاتی استحصالی نظام ایک جیسے کہے جانے لگے۔ جلال الدین رومی کی انقلابی روحانیت اور امام غزالی کا باطل شکن فلسفہ ان نو آموز تجزیہ نگاروں کے نزدیک قابل فخر نہ رہا۔ اس طرح کے مغالطوں اور رویوں پر مشتمل ایک تحریر گزشتہ دنوں ایک معاصر اخبار میں نظر سے گزری۔ جس میں دعویٰ کیا گیا کہ مسلمانوں کی تنزلی اور اہل مغرب کی ترقی کا راز یہ ہے کہ مسلمان صوفی پیدا کرتے رہے اور اہل مغرب نے عظیم الشان سائنس دان پیدا کئے۔ تجزیہ نگار نے اسی پہ بس نہیں کیا بلکہ اسلامی تاریخ کی شخصیات اور سائنس دانوں کا موازنہ کرتے ہوئے چند معروف اور مستند صوفیاء کا ذکر بھی کیا اور پھر بڑے فخر سے اعلان فرمایا کہ اہل مغرب کی دنیا موجدوں کی دنیا ہے جبکہ مسلمانوں کی دنیا مجاوروں کی دنیا ہے۔ کہتے ہیں 1273ء میں ہمارے پاس جلال الدین رومی تھے اور اہل مغرب کے پاس راجر بیکن (1294ء) جیسا نابغہ سائنس دان تھا۔ 1624ء میں ہمارا دامن شیخ احمد سرہندی سے مالا مال تھا اور اہل مغرب کے پاس کیپلر (1630ء) تھا۔ 1739ء میں ہماری دنیا میں بہاؤ الدین نقشبندی جلوہ افروز تھے اور ان کے پاس وہ نیوٹن (1727ء) تھا جس نے دنیا کا نقشہ ہی تبدیل کر کے رکھ دیا۔ ہماری دنیا مجاوروں کی دنیا ہے اور ان کی دنیا موجدوں کی دنیا ہے''۔

ناطقہ سربگریباں ہے کیا کہئے

انہوں نے بیک جنبش قلم حضرت جلال الدین رومی، حضرت شیخ احمد سرہندی اور حضرت بہاؤ الدین نقشبند کو مجاوروں میں شامل کر دیا۔ ہر شخص کو آزادی رائے کے ساتھ اپنا ایک نکتہ نظر رکھنے کا حق ہے۔ مگر اب ایسی بھی کیا آزادی رائے جو دوسروں کے دلوں کو مجروح کرنے لگے۔ فاضل کالم نگار اپنے تئیں حق کے علمبردار ہیں اور وہ ملاہیت فنا کر دینے کا عزم بالجزم رکھتے ہیں۔ صوفی و ملا کی تضحیک کا کوئی موقعہ ہاتھ سے نہیں

جانے دیتے لیکن جوش غضب میں انہیں اتنا بھی یاد نہ رہا کہ حضرت بہاؤالدین کا دور 1739ء نہیں وہ تو صدیوں قبل 1389ء میں وصال فرما چکے تھے اور آپ ان کا موازنہ نیوٹن سے فرمانے چلے ہیں۔

قارئین! یہ سطور لکھتے ہوئے اگرچہ ہمارا دل بوجھل ہے مگر یقین کیجئے کہ صوفیاء اسلام سے محبت کے باوجود سائنس دانوں سے ہمیں عداوت نہیں ہے۔ صوفیاء اور سائنس دانوں کا اپنا اپنا دائرہ کار ہے۔ اگر کسی کی نگاہ میں صوفیاء اس لئے کم تر ہیں کہ ان میں سائنسی علوم کی مہارت نہیں ہے تو وہ سائنس دانوں کو کیا کہیں گے جن کا روحانی اور اخلاقی دنیا سے گزر نہیں ہوا۔ اس طرح کی تحریریں یہ مغالطہ پیدا کر سکتی ہیں کہ شاید مسلم صوفیاء سائنس کے دشمن یا مخالف تھے یا انہوں نے سائنس کا راستہ روکا تھا، اس لئے ضروری سمجھا گیا کہ پڑھنے والوں کی خدمت میں یہ حقائق لائے جائیں کہ تاریخ اسلام کا دامن علوم اور سائنس دانوں سے اتنا خالی نہیں ہے جس قدر اسے سمجھا جا رہا ہے۔ جابر بن حیان، فارابی، بوعلی سینا، سہروردی، رازی، ابن الہیثم، عمر خیام، ابوریحان البیرونی، ناصر الدین طوسی اور قطب الدین شیرازی کے ناموں سے اسلامی تاریخ کا کوئی طالب علم ناواقف نہیں ہو سکتا۔ یہ وہ جلیل القدر مسلم سائنس دان ہیں جنہوں نے سائنس کے قافلے کو وہاں تک پہنچایا جہاں سے اہل مغرب کی ترقی کا سفر شروع ہو سکا۔ یہ بات شاید بہت سے لوگوں کے لئے قابل حیرت ہو کہ ان سائنس دانوں میں سے اکثر محض سائنس دان ہی نہ تھے قرآن و حدیث پہ گہری نظر رکھنے والے باعمل صوفی بھی تھے۔ یہ بگاڑ چونکہ انگریزوں کے دور غلامی سے پیدا ہوا کہ قرآن و حدیث پڑھنے والے، پڑھانے والے سائنسی علوم سے الگ اور سائنس پڑھنے والے علوم قرآن سے بے بہرہ ہو گئے۔ اس لئے ہمارے دور میں یہ بات سمجھانا مشکل ہے کہ اسلامی تاریخ کے مایہ ناز سائنس دان فقط سائنس دان ہی نہیں ماہرین تصوف اور عملی صوفی بھی تھے۔

عصر حاضر کے معروف اسلامی مفکر، جارج واشنگٹن یونیورسٹی کے پروفیسر ڈاکٹر سید حسین نصر نے اپنی تصنیف "Science and Civilization in Islam" میں مسلم سائنس دانوں کے اس روحانی اور صوفیانہ پہلو کا بھی ذکر کیا ہے۔ ابونصر فارابی (870ء-950ء) کو آج بھی مغرب میں ارسطو کے بعد معلم ثانی مانا جاتا ہے۔ انہوں نے فزکس، ریاضی، اخلاق، فلسفہ سیاست اور موسیقی پر کتب تحریر کیں۔ ڈاکٹر سید حسین نصر صاحب نے Three Muslim Sages میں لکھا کہ "صوفی ازم یا تصوف سے ان کا تعلق محض اتفاقی یا حادثاتی نہیں کیونکہ الفارابی نے منطق اور فلسفہ سیاست میں مہارت رکھنے کے باوجود ایک صوفی کی زندگی گزاری اور صوفی ازم کی روح بلکہ تصوف کی خالص فنی اصطلاحات الفارابی کے تمام لٹریچر میں نظر آتی ہیں۔" الفارابی ایسا سائنس دان اور فقر غیور کا حامل درویش تھا جو بادشاہ کے دربار میں جاتے ہوئے آداب بادشاہی بجا لانے کی پروا نہیں کرتا تھا۔ اسی طرح بوعلی سینا جن کو صدیوں تک میڈیسن کے امام کا درجہ حاصل رہا اور جن کی کتاب "قانون" مغرب کی یونیورسٹیوں میں پڑھائی جاتی رہی، ان کے بارے میں بھی لکھا گیا کہ انہوں نے دس سال کی عمر ہی میں قرآن پاک حفظ کر لیا تھا۔ اپنے دور کے دیگر ماہرین فن سے روابط کے علاوہ معروف صوفی اور شاعر ابوسعید ابن ابی الخیر سے بھی رہ و رسم رکھتے تھے۔ قانون تو ان کی طب کی کتاب ہے جبکہ "شفا" میں انہوں نے میٹرولوجی، میزولوجی، جیالوجی، باٹنی، زوالوجی، سائیکالوجی، جیومیٹری، اسٹرانومی، ریاضی اور موسیقی پہ لکھا ہے۔ اپنی کتب "اشارات" اور "رسالہ فی العشق" میں بوعلی سینا نے تصوف کے نظریات اور اصطلاحات پر وضاحت سے لکھا ہے۔ پروفیسر ڈاکٹر سید حسین نصر کے بقول بوعلی سینا جب بھی سائنسی اور فلسفیانہ مسائل میں کسی مشکل سے دوچار ہوتے تو وہ مسجد میں جا کر نماز ادا کرتے۔ درحقیقت انہوں نے نماز کی افادیت، روزانہ کے معمولات اور بزرگان دین کے مزارات کی زیارات پر کئی ایک رسائل تحریر کئے۔ وہ ان مذہبی معاملات کو فائدہ مند سمجھتے تھے۔ ان کے عملی صوفی ہونے نے ان کی سائنسی مہارت میں کوئی رکاوٹ نہ ڈالی بلکہ وہ صدیوں تک مغربی سائنس دانوں کا مرجع بنے رہے۔ البرٹس میگنس، سینٹ تھامس، ڈونس سکاٹس اور راجر بیکن سب کسی نہ کسی طور بوعلی سینا کے خوشہ چینوں میں شامل تھے۔ راجر بیکن نہ صرف بوعلی سینا بلکہ ابوالہیثم سے بھی متاثر تھے۔ ابن الہیثم جنہیں اہل مغرب Alhazen کے نام سے جانتے ہیں بصریات Optics کے امام تھے مگر ساتھ ہی ساتھ صوفی بھی تھے، لیکن تصوف کے رجحان نے ان کے سائنسی علوم کو کم نہیں کیا، بلکہ راجر بیکن کے علاوہ کیپلر اور وائٹلو جیسے اہل مغرب بھی ان سے متاثر ہوئے۔ دلیل راہ کا یہ کالم طوالت کا متحمل نہیں ہو سکتا ورنہ ہم اور بھی مسلم سائنس دانوں کا تذکرہ کرتے جو صوفی بھی تھے اور سائنس دان بھی، اس لئے ہماری گزارش ہے کہ اسلام کی مسلمہ شخصیات پر مجاوروں کی پھبتی کسنے کی بجائے اگر ہم تعصب کی عینک اتار کر دیکھیں تو پتہ چلے گا کہ یہ لوگ تو علم و عرفاں کے شناور تھے، جو سائنس اور تصوف دونوں کے طلب گاروں کو ساحل مراد تک پہنچاتے تھے۔ آج کے زوال سے نکلنے کے لئے ہمیں اپنے ماضی کو بھولنے کی نہیں اسے یاد رکھنے کی ضرورت ہے۔ تصوف کو صحیح معنوں میں اپنا کر ہم ایک بار پھر عروج آشنا ہو سکتے ہیں۔

☆☆☆

دیوان آل سیدی معینی صاحب اور عظمت مآب نسبتوں کے تاجدار ہیں۔ وہ ذات جس نے دانے کو پھاڑا اور اس سے پودا نکالا اور پھر اسے درخت کی شکل و زینت عطا فرمائی اسی نے حضرت کو اتنا بلند نصیب بخشا کہ خواجہ اجمیری سے عملِ نسبت عنایت فرمائی۔ حضرت اس وقت تک اپنی عمر کی 75 بہاریں دیکھ چکے ہیں لیکن دل میں ابھی تک ایک ہی حسرت ہے کہ اللہ کی زمین پر مصطفیٰ کریم ﷺ کا نظام نافذ ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے انتہائی کم سنی میں ہجرت کی سنت پر عمل کی توفیق عطا فرمائی۔ قیامِ پاکستان کے زمانے کے انتہائی کٹھن حالات کا مشاہدہ کیا۔ جانکاہ صدموں کا بوجھ اٹھایا۔۔۔ اور کسمپرسی کے اندر اپنے گھر کو چھوڑنے پر مجبور ہوئے لیکن یہ سب تکالیف ایک عظیم مقصد کے حصول کی خوشی میں برداشت کیں اس لئے ان کا ورود برضا و رغبت قبول کیا۔۔۔ پاکستان آنے کے بعد اپنے والد گرامی کی سرپرستی میں ملک کی دینی فضا کو بہتر سے بہتر بنانے میں بہت محنت کی۔۔۔ نامور مشائخ عظام اور کبار علماء کرام آپ کی تعظیم و توقیر بجا لاتے ہیں۔ سلسلہ عالیہ چشتیہ کی تمام خانقاہوں کا آپ کے ساتھ روحانی اور قلبی تعلق استوار ہے۔ آپ نے بہت سی تحریکیں دیکھیں۔ تحریکوں کی تشکیل کا مشاہدہ کیا۔۔۔ ایک بات جو آپ کو اب تک تمکین کئے رکھتی ہے وہ اتحاد اور اتفاق کا فقدان ہے۔ ہمیشہ جوڑنے کی سعی کرتے رہے۔ ملانے کی باتیں کرتے رہے۔ پیار بانٹا، محبتیں تقسیم کیں اور روٹھے ہوؤں کو بھی منایا۔۔۔ اللہ نے طبیعت کو خود غرضی، حسد اور بغض سے پاک رکھا۔۔۔ تقویٰ، حسن عمل، جمال نیت اور خوئے دل نوازی آپ کو عطیۂ خاص کے طور پر ودیعت ہوئے۔ تاجدار حسن و جمال مصطفیٰ کریم ﷺ کے حسنِ مزاج سے خیرات آپ کا مقدر ہے۔ یہی وجہ ہے اپنی طبعی ظرافت کے ساتھ مغموم قلوب کو بھی آسودگی دے دیتے ہیں۔۔۔ ماہنامہ وکیل راہ نے ان کے ساتھ ایک نشست کا اہتمام کیا جس کی تفصیل نذر قارئین کرتا ہے۔۔۔ رضوان انجم

دیوانِ آلِ سیدی معینی

سربراہ

سنی سپریم کونسل

جماعت اہل سنت پاکستان

سوال:۔تاریخ پیدائش اور جائے پیدائش کے بارے میں تفصیلاً آگاہ فرمائیں؟

جواب:۔میرے والد گرامی سجادہ اعظم اجمیر شریف حضرت شیخ المشائخ خواجہ دیوان سید آل رسول علی خان 1890ء کو اجمیر شریف کی نواحی بستی دھول کوٹ میں پیدا ہوئے جبکہ مسند سجادہ پر 1917ء میں متمکن ہوئے اس وقت سجادگی سنبھالنے کے لیے دو شرائط ہوتی تھیں جن پر میرے والد گرامی پورے اترے پہلی شرط خواجہ غریب نواز کا قریب ترین عزیز ہونا اور دوسری شرط خواجگان کی نجیب الطرفین اولاد ہونا۔ میرے والد سے بھی پہلے ہمارے خاندان کی چار نشستوں نے دھول کوٹ کے اندر قیام کیا اس کی تفصیلات کچھ یوں ہیں کہ ہمارے بزرگ علاقے کے لوگوں کے مسائل لے کر دہلی میں بادشاہ کو ملنے جا رہے تھے راستے میں گڑگانواں شہر کا ایک قصبہ پڑتا تھا جس کا نام دھول کوٹ تھا یہاں پر زیادہ تر آبادی راجپوتوں کی تھی ان کا جو سردار تھا بڑے اچھے عقیدے کا آدمی تھا ویسے بھی اس دور میں اکثریت اچھے عقیدے کے لوگوں کی تھی۔اس سردار نے اپنی رعایا کو حکم دے رکھا تھا کہ ہماری سرحد سے جو بھی پیر فقیر گزرے اسے پہلے ہمارے پاس لاؤ ہم اس کا امتحان لیں گے اگر وہ اس امتحان میں کامیاب ہو گیا تو ہم اس کو اپنا پیر مان لیں گے۔جب ہمارے بزرگ اس علاقے سے گزرے تو لوگوں نے انھیں بھی اپنے سردار کے پاس چلنے کے لیے مجبور کیا چنانچہ وہ جب وہاں پہنچے تو سردار نے ان سے سوالات وغیرہ کیے جن کے جوابات پر وہ بہت مطمئن ہوا اور اسی وقت وہ کہنے لگا آج کے بعد میں اور میری رعایا آپ کے مرید ہیں۔اس کے بعد آپ نے وہیں پر قیام کر لیا۔اس دوران سردار نے آپ کی بہت خدمت کی اور اسی قصبے میں ہماری چار پشتیں قیام پذیر رہیں۔ان میں ہمارے بزرگ خواجہ مسیح اللہ تھے آپ ہجرت کر کے دہلی چلے گئے وہاں آپ کا مزار خواجہ باقی باللہ رحمتہ اللہ علیہ کے پڑوس میں ہے۔باقی بزرگوں کی اولادیں مذکورہ قصبے دھول کوٹ میں ہی رہائش پذیر رہیں۔انہی میں ہمارے بزرگ دیوان سید آل رسول بھی تھے اسی دوران اجمیر شریف کی سجادگی ان کو مل گئی ان کے وصال کے بعد چونکہ اجمیر شریف کی سجادگی کی شرط یہ تھی کہ سابقہ سجادہ کے بڑے بیٹے کو یہ اعزاز دیا جائے لیکن مذکورہ بزرگوں کی اولاد نہ ہونے کی وجہ سے ہمارے والد گرامی کو اس منصب کے لیے چن لیا گیا۔یہ 1922ء کا دور تھا اس دوران درگاہ شریف پر بہت زیادہ غلط حرکات رواج پا چکی تھی۔خادموں نے مزار شریف کے احاطے کو اکھاڑا بنا رکھا تھا اور ویسے تو خادمین کا کام اپنے بزرگوں اور ان کی اولادوں کی فرمانبرداری کرنا ہوتا ہے لیکن اس دور کے اجمیر شریف کے خدام صرف اپنے مفادات کے لیے ہمارے مخالف ہو گئے اور مزار شریف کے معاملات پر قابض بن بیٹھے اور پھر اس کے بعد تمام تر غیر شرعی حرکتیں وہاں ہونے لگیں جیسے مثال کے طور پر طوائفوں کا رقص کرنا اور گانا بجانا وغیرہ اس کے علاوہ زائرین کو مختلف حیلوں اور بہانوں سے لوٹا جاتا۔ہمارے والد بزرگوار کو ان تمام حرکتوں پر بہت غصہ آیا۔انہوں نے یہ سب کچھ ختم کرنے کے لیے عملاً جدوجہد شروع کر دی جس میں وہ کافی حد تک کامیاب ہو گئے اس دوران والد گرامی نے دربار شریف کے میلے میں جو اپنے تئیں متولی بن بیٹھا تھا اس کے خلاف پریوی کونسل میں مقدمہ چلایا گیا جس میں الحمدللہ ہمیں کامیابی ہوئی اس کے بعد ایک کمیٹی بنائی گئی جس میں سات یا آٹھ ممبران تھے۔اس کمیٹی کا نام اجمیر شریف اسٹیٹ کے معاملات کی نگرانی کرنا تھا۔یاد رہے اجمیر شریف میں 22 گاؤں تھے اور یہ ساری جائیداد مختلف ادوار میں خواجہ غریب نواز اور ان کی اولاد کو تحفہ میں دی گئی تھی۔آپ حیران ہوں گے کہ خواجہ غریب نواز سے لوگوں کی عقیدت کا عالم اب بھی یہ ہے کہ باقاعدہ صوبہ راجھستان کے اندر عرس سے کچھ عرصہ پہلے پھول اگائے جاتے ہیں اور عرس کے موقع پر قبر شریف پر ڈالے جاتے ہیں۔یہ اس قدر زیادہ ہوتے ہیں کہ مزار شریف کی چھت تک پہنچ جاتے ہیں۔اسی دوران وہاں پر 1936ء میں میری پیدائش ہوئی ہم کل پانچ بھائی ہیں۔

سوال:۔ابتدائی تعلیم آپ نے کہا حاصل کی؟

جواب:۔ہمیں اساتذہ گھر میں پڑھانے آیا کرتے تھے۔بڑے بھائی سے بھی پڑھا۔جب ہجرت کی تو پھر یہاں آ کر منشی فاضل کا امتحان پاس کیا۔قیام پاکستان کے موقع پر حالات بہت زیادہ خراب ہو گئے، جس کی وجہ سے ہماری تعلیم پر بھی برے اثرات مرتب ہوئے۔والدہ کے وفات کے صدمے نے بھی تعلیم کے معاملات کو متاثر کیا ویسے بنیادی دینی تعلیم میں نے اپنی دادی مرحومہ سے حاصل کی۔

سوال:۔درگاہ شریف کے اخراجات کا انتظام کہاں سے ہوتا ہے؟

جواب:۔ جیسا کے پہلے عرض کر چکا ہوں کہ اجمیر شریف کے 22 گاؤں ہیں جہاں خادمین کے تین سو خاندان آباد ہیں جو فصلیں کاشت کرتے ہیں۔جس کی آمدنی عرس کے موقع پر اکھٹی کر کے اخراجات پر خرچ کی جاتی ہے۔پہلے اس کا انتظام نام نہاد متولی جو پہلے منیجر تھا اس کے پاس تھا۔لیکن وہ اور اس کے حواری مالی معاملات میں خرد برد کرتے تھے، چنانچہ ایک تحریک چلائی گئی جس کے ذریعے اس وقت کے انگریز اسمبلی سے یہ بل پاس کیا گیا کہ آئندہ کے لئے تمام تر انتظامی معاملات ایک کمیٹی کے سپرد کر دیے جائیں گے۔

الحمدللہ نہ صرف اپنی اولاد بلکہ پورے خاندان کو دین اسلام سیکھنے کی تلقین کرتے ہیں

تمام چشتیہ سلسلے کے بڑے آستانوں کے سجادہ نشینوں کے نام بھی شامل کیے گئے یہ کل 45 ممبران تھے ان کے علاوہ کچھ اور نام جیسے سردار بہادر، مرزا عبدالقادر، سردار نعمت اللہ خان، سردار عظمت بیگ اور غضنفر علی خان وغیرہ۔ کمیٹی نے ذمہ داریوں کی تقسیم کرتے ہوئے تمام تردینی معاملات سجادہ نشینوں کے سپرد کر دیے جبکہ مالی معاملات ایک مینیجر کے سپرد کر دیئے گئے جس کی نگرانی کمیٹی براہ راست کیا کرتی تھی۔ اس طرح کمیٹی نے غلط حرکات پر بھی پابندیاں لگائیں مثال کے طور پر جوا بازی وغیرہ پر۔ آمدن کا کچھ حصہ سجادہ نشین کے لئے مخصوص کر لیا گیا باقی دیگر اخراجات کے لئے مقرر کیا گیا۔

سوال:۔ نذرانے وصول کرنے کے بارے میں بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں اس بارے میں آپ کیا کہنا چاہیں گے؟

جواب:۔ آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ یہ حضور ﷺ کے زمانے سے چلا آ رہا ہے اس حوالے سے کسی پر کوئی مقرر رخدمت لازم نہیں کی جاتی۔ یہ تو عقیدت رکھنے والے کا اپنے دل کا معاملہ ہے کہ وہ اپنے روحانی مُربی کی مالی و بدنی خدمت میں کس قدر محبت کا مظاہرہ کرتا ہے۔ ہمارے ہاں جو نذرانے وصول ہوتے تھے ان کے تین حصے کیے جاتے تھے ایک پناہ، ایک اقربا اور تیسرا غربا و مساکین کے لئے۔ اس کے ساتھ ساتھ نذرانوں کی مد میں جو آمدن ہوتی تھی اس کا بڑا حصہ دین کی ترویج اور اشاعت میں بھی خرچ کیا جاتا تھا۔ اس سلسلے میں بڑے بڑے مدارس کی سرپرستی کرنا اور اس کے علاوہ خود بھی بہت سے مدارس قائم کرنا شامل تھا۔

سوال:۔ موجودہ خانقاہی نظام کے انداز تربیت پر آپ مطمئن ہیں؟

جواب:۔ جی میں اتنا زیادہ مطمئن نہیں ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ آج کل خانقاہی نظام میں تقسیم جائیداد کی طرح وراثت کا طریقہ رائج کر دیا گیا ہے یعنی اپنی اولاد ہی کو سجادگی دی جاتی ہے چاہے وہ اس کے اہل ہو یا نہ ہو جبکہ اکابرین کا طریقہ یہ نہیں تھا وہ تو تلاش کرتے تھے کہ اہل شخص کون ہے خواہ وہ رشتہ دار نہ بھی ہو اور اپنی اولاد نہ بھی ہو۔ دوسری بات موجودہ خانقاہی نظام دین کی ترویج و اشاعت میں اس طرح کے اثرات ظاہر نہیں کر رہا جو آج سے کچھ عرصہ پہلے تک نظر آتے تھے۔ اکابرین خود بھی پڑھے لکھے ہوتے تھے اور پڑھے لکھے لوگوں کو خلافتیں دیا کرتے تھے۔ موجودہ سجادہ نشین حضرات کو یہ نصیحت کروں گا کہ وہ اکابرین کے نظام تربیت کو اپنائیں میں سمجھتا ہوں کہ میرے اندر خامیاں ہوں چھپائیاں نہ ہوں تو میں سجادہ نشین ہونے کا اہل نہیں ہوں۔

سوال:۔ آپ کی اولاد کتنی ہے؟

جواب:۔ دو بیٹے ہیں اور ایک بیٹی جو فوت ہو گئی ہے۔ بیٹوں کے نام یہ ہیں۔ دیوان سید آل شاہد، دیوان سید آل مشہود۔

سوال:۔ کیا آپ اپنے بچوں کی دینی تعلیم کے سلسلہ میں کچھ ارشاد فرمائیں گے؟

جواب:۔ ہم نے الحمدللہ نہ صرف اپنی اولاد بلکہ پورے خاندان کو یہ تلقین کرتے ہیں کہ یہ دین ہے اس کو سیکھا جائے بذات خود اپنے گھر کا نظام دینی بنایا ہے۔ وقتاً فوقتاً بڑے بڑے علماء ہمارے گھر تشریف لاتے ہیں جن سے بہت کچھ مجھے اور میری اولاد کو سیکھنے کے لئے ملتا ہے۔ میرے بڑے بیٹے نے دورہ تفسیر مکمل کیا ہے اس کے علاوہ قرآت، تجوید صرف و نحو اور ٹکڑوں کے اندر درس نظامی بھی پڑھا ہوا ہے۔ اور ماشاء اللہ عصری تعلیم کے حوالے سے M.S.C (Mathematics) کیا ہوا ہے اس وقت K.R.L کے اندر افسر ہیں اور ماشاء اللہ درس قرآن بھی دیتے ہیں۔ مہینے کی چھ تاریخ کو جس میں لوگوں کے عقائد اور اعمال کی اصلاح پر توجہ دی جاتی ہے۔

سوال:۔ ہر مہینے کی چھ تاریخ کو آپ محفل ذکر کرواتے ہیں اس کی کوئی خاص وجہ؟

جواب:۔ خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کی تاریخ چھ ہے اس نسبت سے ہمارے ہاں چھٹی شریف کی محفل کا معمول ہے۔

سوال:۔ کیا آپ خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کے موجودہ سجادہ نشین ہیں؟

جواب:۔ جی نہیں ہمارے ہاں سجادہ نشین بنانے کا معیار یہ ہے کہ بڑے بیٹے کو یہ منصب دیا جاتا ہے۔ میرے بڑے بھائی اس منصب پر فائز تھے ان کے وصال کے بعد ان کا بیٹا دیوان آل سید حبیب جو میرا بھتیجا ہے موجودہ سجادہ نشین ہے۔

سوال:۔ دیوان کس مناسبت سے اپنے نام کے ساتھ لکھتے ہیں؟

جواب:۔ یہ خطاب مغلوں کے دور میں خواجہ غریب نواز کے سجادہ نشینوں کو دیا گیا تھا اور اس کے لئے پروٹوکول بھی مختص کیا گیا تھا جو خاصہ عرصہ

دین کی برکتوں سے دوستی رشتہ داری میں تبدیل ہوگئی

تک ہمارے بزرگوں کو دیا جاتا تھا۔

سوال:۔آپ نے بیعت کس سے کی؟

جواب:۔میرے والد گرامی دیوان سید آل رسول کو اپنے والد سے خلافت واجازت حاصل تھی لہذا ہم چار بھائیوں کو والد گرامی نے ہی بیعت کیا لیکن ہجرت کے بعد ہمارے سارے خاندان نے مجھ سمیت آستانہ عالیہ بسی شریف کے بزرگ میاں علی محمد صاحب کے ہاتھ پر تجدید بیعت کی۔اس کی وجہ یہ تھی کہ ہم چاہتے تھے کہ اکابر بزرگوں کے انداز پر کوئی ولی اللہ ہماری تربیت کرے اور اس سلسلے میں جو نشانیاں جو تصوف کی کتابوں میں پڑھی تھی وہ ساری میاں علی محمد صاحب میں موجود تھی پہلے میں بیعت ہوا اور پھر میرے وجہ سے میرے والد اور سارا خاندان ان سے بیعت ہوا میری اپنی اولاد بھی ان سے بیعت ہے مجھے خلافت واجازت انہی سے حاصل ہے۔

سوال:۔کیا آپ کی سرپرستی میں کچھ مدارس اس وقت بھی چل رہے ہیں؟

جواب:۔جی الحمدللہ دو مدارس طالبات کی تعلیم کیلئے راولپنڈی میں قائم کیے۔جامعہ معینیہ تو گیرویہ للبنات کے نام سے اور ایک مدرسہ جامعہ چشتیہ غوثیہ کچھ عرصہ قبل پشاور میں قائم کیا۔

سوال:۔آپ کل کتنے بھائی ہیں؟

جواب:۔ہم کل چار بھائی ہیں:(۱)دیوان سید آل مجتبیٰ (۲)دیوان سید آل حامد (۳)دیوان سید آل طٰحہ (۴)دیوان سید آل رسول

سوال:۔ہجرت کے موقع پر جن آزمائشوں اور مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑا ان کے بارے میں کچھ بتائیے؟

جواب:۔بہت زیادہ امتحان اور آزمائشیں دیکھنی پڑی۔پہلے تو آپ کو یہ بتادوں ہمارے والد کو علاقے کے لوگوں نے درخواست کی کہ آپ ہجرت نہ کریں کیونکہ آپ کی وجہ سے لوگوں کی ہمت اور حوصلہ قائم ہے۔ویسے بھی مقامی ہندو والد گرامی کا احترام کرتے تھے لیکن اردگرد کے علاقوں سے بڑی تعداد میں ہندو اکھٹے ہو کر اجمیر شریف پر حملہ آور ہونے کا منصوبہ بنانے لگے جس کی قبل از وقت اطلاع علاقے کے لوگوں کو مل گئی تو پھر وہی لوگ بالخصوص سردار عبدالرب نشتر میرے والد صاحب کے پاس گئے اور ان کا موقف یہ تھا کہ جب تک آپ ہجرت نہ کریں گے اس وقت تک کوئی ہجرت نہ کرے گا اس لئے آپ سب کو لے کر پاکستان چلے جائیں۔اس وقت اچانک تمام لوگ ضرورت کا سامان کو ساتھ لے کر ٹرین سے پاکستان کی طرف چل دیئے۔راستے میں ایک جگہ ہماری ٹرین رکی تو اچانک ہی سٹیشن ماسٹر نے آکر ہمیں اطلاع دی کہ ہندوؤں کی ایک ٹرین سٹیشن کے قریب آچکی ہے لہذا آپ جلدی جلدی دوبارہ سوار ہوں اور یہاں سے چلے جائیں چنانچہ ہم واپس زندہ سلامت آنے میں کامیاب ہوگئے۔میں سمجھتا ہوں یہ بھی خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کی کرامت تھی ورنہ اس وقت ہندوؤں اور سکھوں کی زبان پر یہ الفاظ ہوتے تھے کہ ایک کے بدلے دس اور ننگی تلواریں اور خون آلود خنجر ان کے ہاتھوں میں ہوتے تھے اور مسلمانوں کو گاجر مولی کی طرح ذبح کررہے تھے۔ہجرت کی ایک وجہ پاکستان اور مسلم لیگ سے محبت بھی تھی۔

سوال:۔ہجرت کے وقت جو توقعات لے کر آپ پاکستان آئے آپ کیا سمجھتے ہیں وہ پوری ہوئیں؟

جواب:۔بالکل نہیں۔سب سے پہلے یہ امید اور توقع تھی یہاں نظامِ مصطفیٰ نافذ ہوگا لیکن اس سلسلے میں بھی اطمینان اور تسلی نہ ہوئی دوسری بات مہاجرین سے وعدے کیے گئے تھے کہ جو کچھ وہ انڈیا میں کاروبار اور جائیداد چھوڑ کر آئے ہیں ان کے Claim دیئے جائیں گے لیکن اس سلسلے میں بڑی مایوسی کا سامنا کرنا پڑا۔

سوال:۔خانقاہ نشینوں کے نام کوئی پیغام دینا چاہیں گے؟

جواب:۔میں سمجھتا ہوں موجودہ پرفتن دور میں آستانے دینی شعار اور شریعت مطہرہ کے حوالے سے زیادہ کام کرسکتے ہیں۔مشائخ کو اپنے مریدین کی تربیت کا ٹھوس نظام کرنا چاہیے تاکہ عقیدے اور عمل پر گرفت مضبوط کی جاسکے ہم قیام پاکستان کے بعد 1947ء میں جب ہجرت

نذرانوں کے تین حصے کیے جاتے ،ایک اپنا،ایک اقربا اور تیسرا غربا و مساکین کیلئے

کر کے پاکستان آئے تو انتہائی مشکل حالات کا سامنا کرنا پڑا لیکن ہم نے اس بے سروسامانی کی حالت میں بھی اپنی قومی اور دینی ذمہ داریوں کو فراموش نہ کیا۔1948ء میں میرے والد نے تنظیم مشائخ اہل سنت کے نام سے ایک تنظیم بنائی جس کا مقصد تمام مشائخ کو ایک پلیٹ فارم پر اکٹھا کیا جائے لیکن آج یہ دیکھ کر دکھ ہوتا ہے کہ خانقاہوں میں بیٹھنے والے تمام حضرات آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ اکٹھے بیٹھنے کے لیے تیار نہیں ہیں، تو میری دوسری تجویز یہ ہے کہ اتحاد و اتفاق قائم کیا جائے۔

سوال:۔آپ جمعیت علماء پاکستان اور اس کے بعد جماعت اہل سنت سے بھی وابستہ رہے اس کی تفصیلات ہمارے قارئین کو آگاہ ہیں فرمائیں۔

جواب:۔1970ء میں جمعیت علمائے پاکستان کی بنیاد رکھی گئی۔سنی کانفرنس ٹوبہ ٹیک سنگھ کے اندر اور میں 1977ء میں جمعیت کے اندر شامل ہوا چونکہ قبلہ نورانی صاحب کے ساتھ ہجرت سے پہلے کے ہمارے خاندانی تعلقات تھے تو انھوں نے مجھے جمعیت میں شمولیت کے لئے کہا۔اس دور میں جمعیت علمائے پاکستان کا بہت نام تھا اور پاکستان کی بڑی سیاسی جماعتوں میں اس کا شمار ہوتا تھا۔آپ اس کا اندازہ اس سے لگا سکتے ہیں کہ جس زمانہ میں میں جمعیت کا صوبائی جنرل سکیرٹری تھا تو اس وقت مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ وہ 77 کا زمانہ تھا تو میں نے J.U.P کے ٹکٹ تقسیم کیے تو آج جو اسمبلی میں موجودہ سپیکر ہیں فیصل کریم کنڈی ان کے والد فضل کریم کنڈی نے بھی ہم سے ٹکٹ لیا تھا اس کے بعد جماعت اہل سنت میں شامل ہونے کی وجہ غزالی زماں علامہ سید احمد سعید کاظمی کے ساتھ تعلقات تھے۔قبلہ کاظمی صاحب سے میری ملاقات 1948ء میں ہوئی۔میں ان کی طرف ایسا بڑھا کہ ہمارے دوستی رشتہ داری میں تبدیل ہوگئی میرے بیٹے آل شاہدان کے داماد بن گئے بس قبلہ کاظمی صاحب کے زمانے میں تو جماعت کا نائب صدر اور ان کی وفات کے بعد صدر بھی رہا۔

سوال:۔ایک تلخ حقیقت ہے J.U.P دھڑوں میں تقسیم ہوگئی اس کی تفصیل بتانا پسند فرمائیں گے۔

جواب:۔اصل بات یہ ہے جناب کہ سیاست میں بہت بڑی بڑی غلطیاں بھی معاف کرنی پڑتی ہیں اور روٹھے ہوئے لوگوں کو منانا پڑتا ہے اور ہر ایک کو ساتھ لے کر چلنے کی کوشش کرنی پڑتی ہے لیکن قبلہ نورانی صاحب کی طبعیت میں چونکہ بہت زیادہ استغنا تھا اس لئے جو ایک دفعہ روٹھ گیا اس کو منانے کی کوشش نہ کرتے ایک تو وجہ یہ تھی میں مطمئن ہوں کہ میں نے ہمیشہ نورانی صاحب کو اس بات پر آمادہ کرنے کی کوشش کی کہ وہ روٹھے ہوئے اور ناراض لوگوں کو دوبارہ ساتھ ملائیں۔دوسری سب سے بڑی اور بنیادی وجہ یہ ہے کہ وہ اس وقت کے ڈکٹیٹر ضیاالحق اور اس کی اسٹبلیشمنٹ کی سازشیں تھی۔

سوال:۔جمعیت کے دھڑوں میں اتحاد کے حوالے سے کچھ تفصیلات بتانا پسند فرمائیں گے؟

جواب:۔میں نے اپنی بساط کے مطابق پہلے بھی بہت کوشش کی ہے اور اس سلسلے میں اب بھی مساعی جاری ہے لیکن کچھ مفاد پرست لوگ اور ایجنسیوں کے کچھ لوگ اس راستے میں بڑی رکاوٹ بن رہے ہیں۔

سوال:۔مفاد پرست عناصر سے اشارہ کن لوگوں کی طرف ہے؟

جواب:۔بس یہ رہنے دیں۔

سوال:۔زندگی کی بہت بڑی خواہش جو ابھی تک پوری نہ ہوئی ہو؟

جواب:۔اپنی عمر کے 75 سال گزارنے کے بعد اب تک دل میں یہ آرزو تڑپ رہی ہے کہ ہمارے اسلاف نے جس اسلامی ریاست کا خواب دیکھا تھا اس کی تعبیر ظاہر ہو جائے اور میرے اس وطن میں نظام مصطفیٰ نافذ ہو جائے۔

سوال:۔بڑے بزرگ علماء و مشائخ میں کس کس کی زیارت ہوئی؟

جواب:۔سفیر اسلام شاہ عبدالعلیم صدیقی، صدرالافاضل سید نعیم الدین مرادآبادی، شیخ الاسلام خواجہ شیخ قمرالدین سیالوی، پیر صاحب مانکی شریف، پیر سید جماعت علی شاہ صاحب اور مولانا محب النبی صاحب۔

سوال:۔اپنی زندگی کے دو بڑے اجتماعات جو آپ کے لئے یادگار کی حیثیت رکھتے ہوں؟

جواب:۔اجمیر سنی کانفرنس جو تاریخ میں بڑی شہرت رکھتی ہے۔اس میں پیر آف مانکی صاحب نے یہ ارشاد فرمایا تھا کہ اب اگر قائداعظم بھی

شاہ احمد نورانی استغنا کی وجہ سے روٹھے ہوؤں کو مناتے نہیں تھے

پاکستان کے مطالبے سے دستبردار ہو جائیں تو ہم یارسول اللہ کہنے والے پیچھے نہ ہٹیں گے۔اس میں جید علما ومشائخ نے خطابات فرمائے تھے اس کے علاوہ سنی کانفرنس ملتان اور میلا کانفرنس راولپنڈی۔

سوال:۔قیام پاکستان کے وقت آپ کی عمر کتنی تھی؟

جواب:۔بارہ سال۔

سوال:۔قائداعظم سے کبھی ملاقات ہوئی؟

جواب:۔جی نہیں۔

سوال:۔قائداعظم کے بارے میں کیا جانتے ہیں۔

جواب:۔پیر کرم شاہ صاحب سے یہ بات سنی تھی کہ قائداعظم کو خواب میں حضور ﷺ کی زیارت ہوئی تھی اور آپ نے قیام پاکستان کے لئے تحریک چلانے کا اشارہ کیا تھا بس یہ جاننے کے بعد قائداعظم بہت اچھے لگتے ہیں۔

سوال:۔موجودہ علماء سے کس سے زیادہ متاثر ہیں؟

جواب:۔اس کا جواب تو مشکل ہوگا اس لئے جس کا نام نہ لیا وہ ناراض ہو جائے گا بہرحال پیر کرم شاہ صاحب کے کام سے بہت خوش ہوں۔

سوال:۔تحریک پاکستان کی تاریخ کو تبدیل کر دیا گیا جن لوگوں نے قربانیاں دی ان کے نام نکال دیئے گئے کیا وجوہات ہیں؟

جواب:۔دراصل قربانیاں وہی لوگ دیتے ہیں جو ہر طرح سے سفلی قسم کے مفادات سے بے نیاز ہوں اور الحمدللہ یہ اعزاز ہمارے اہل سنت کے لوگوں کو حاصل ہے۔اپنی اسی طبیعت کی بے نیازی کی وجہ سے ہمارے علما،ومشائخ قیام پاکستان کے بعد بھی عہدوں سے دور رہے اور حکومتوں سے راہ ورسم پیدا نہیں کی ہے اس کے مقابلے میں کانگریسی فکر رکھنے والے طبقے نے پاکستان کی مخالفت بھی اپنے مفادات کی خاطر کی ور قیام پاکستان کے بعد پھر اپنے ہی فائدوں کے لئے حکومتوں کے قریب ہوئے پاکستان کی محبت کے جھوٹے دعوے کیے اور عوام کو گمراہ کرنے کے لئے تاریخ پاکستان کے اندر اپنے لوگوں کے نام شامل کروادیئے۔

سوال:۔آپ کو کبھی سیاسی عہدہ کی پیش کش ہوئی؟

جواب:۔آج تک کسی بھی حکومتی سطح پر کوئی بھی عہدہ قبول نہیں کیا۔میاں محمد نواز شریف نے مجھے اپنی جماعت کے مشائخ ونگ کی صدارت کے لئے پیش کش کی یہ بھی کہا کہ آپ کو علیحدہ،گاڑی،مکان،گھر دیا جائے گا اور آپ کے تمام اخراجات ہمارے ذمہ ہوں گے لیکن میں نے یہ قبول نہیں کیا۔بے نظیر بھٹو نے بھی اپنی جماعت کے لئے عہدہ کی پیش کش کی لیکن ہم نے قبول نہیں کی۔

سوال:۔زندگی میں کس چیز کی کمی محسوس کرتے ہیں؟

جواب:۔سب سے زیادہ اپنے اعمال سے مطمئن نہیں ہوں۔

سوال:۔صدمہ کب ہوا؟

جواب:۔اجمیر شریف سے ہجرت کرنے کا۔

سوال:۔خوشبو کون سی پسند ہے؟

جواب:۔شمامۃ العنبر ہمارے مرشد کو بھی پسند تھی۔

سوال:۔لباس کون سا پسند ہے؟

جواب:۔سادہ شلوار قمیض۔ کرتہ پاجامہ۔

سوال:۔شہر کون سا پسند ہے؟

جواب:۔مدینہ شریف اور اس کے بعد اجمیر شریف۔

سوال:۔بیرون ممالک کا سفر؟

جواب:۔اعلیٰحضرت کے ترجمہ کنزالایمان پر سعودی عرب پابندی کے خلاف لندن میں حجاز کانفرنس منعقد ہوئی جس میں شرکت کے لیے جانا ہوا اور ٹرانزٹ ویزے پر مصر اور ہالینڈ بھی دیکھنے کا موقع ملا۔اس کے علاوہ سعودی عرب بھی بہت دفعہ گیا۔

سوال:۔آپ کیا سمجھتے ہیں کہ دوستی کا معیار کیا ہونا چاہیے؟

ہندو ساز پر اپنے دیوی دیوتاؤں کا نام لیتے ہیں تم اللہ کا نام بلند کرو

جواب:۔ غازی محی الدین فرماتے تھے کہ آج کل دوست کاشت کرنے کا زمانہ ہے یعنی ہر کسی کو دوست بنا کر رکھو اختلاف سے بچو۔

سوال:۔ کون سا لیڈر پسند ہے؟

جواب:۔ شاہ احمد نورانی علیہ الرحمۃ

سوال:۔ دھوپ، بارش، بادل کیا پسند ہے؟

جواب:۔ موسم کے حساب سے سردیوں میں دھوپ گرمیوں میں بادل اور بارش تو اللہ کی رحمت ہے۔

سوال:۔ پسندیدہ کھانا؟

جواب:۔ جو لذیذ ہو شوربے والا ہو مرچوں والا نہ ہو ویسے میٹھا بھی پسند ہے۔

قوالی کا جواز شرائط کے ساتھ تعلق رکھتا ہے

سوال:۔ پسندیدہ پھل؟

جواب:۔ آم

سوال:۔ پسندیدہ موسم؟

جواب:۔ معتدل۔

سوال:۔ پسندیدہ کھلاڑی؟

جواب:۔ حنیف محمد۔ فضل محمود۔ عبدالحفیظ کاردار

سوال:۔ پسندیدہ کھیل کون سا ہے؟

جواب:۔ بیڈمنٹن اور کرکٹ۔

سوال:۔ اپنے کون سے استاد سے بہت متاثر ہیں؟

جواب:۔ مولانا سید عزیز حیدر یہ فارسی اور اردو زبان کے ماہر تھے۔ منشی فاضل کی تیاری میں انھوں نے میرے بہت مدد کی انگریزی زبان میں نے اپنے بڑے بھائی (پیرزادہ آل حامد معینی اور چچا سید آل نبی سے سیکھی۔

سوال:۔ اخبار پڑھتے ہیں؟

جواب:۔ جماعت اہل سنت اور جمعیت پاکستان کی وابستگی کی وجہ سے یہ میری ضرورت رہی کہ اخبار پڑھوں اور حالات حاضرہ سے آگاہ رہوں۔

سوال:۔ روزمرہ کے معمولات کیا ہیں؟

جواب:۔ اپنے پیر و مرشد کے بتائے ہوئے اوراد و وظائف روزانہ کرنا پڑتے ہیں۔ پہلے پابندی سے مسجد میں جماعت کے ساتھ حاضری ہو جاتی تھی لیکن اب عمر کے زیادہ اور بیماری کی وجہ سے گھر میں ہی جماعت کروالیتا ہوں اس کے علاوہ روزانہ دور دراز سے ارادت مند ملاقات کے لئے آتے ہیں پہلے فجر کے بعد آرام نہیں کرتا تھا لیکن اب کمزوری کی وجہ سے فجر کے بعد کچھ دیر کے لئے آرام بھی کرتا ہوں۔ اس کے علاوہ جو بھی عاشق رسول محفل کی دعوت دے اس میں حاضری ضرور دیتا ہوں۔

سوال:۔ دو قومی نظریہ کی ابتدا، کہاں سے ہوئی؟

جواب:۔ ویسے تو برصغیر میں جس دن پہلا ہندو مسلمان ہوا تھا اس دن سے ہی ہو گئی تھی لیکن اس کو باقاعدہ تحریک کا آغاز خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ نے دیا تھا۔

سوال:۔ بیعت کے وقت مریدین کو کیا خاص نصیحت کرتے ہیں؟

جواب:۔ شریعت مطہرہ کی پابندی، نمازوں میں باقاعدگی اور وظائف کی پابندی اور حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی۔

سوال:۔ اب تک خلافت کس کس کو دے چکے ہیں؟

جواب:۔ اپنے دونوں بیٹوں کو آل شاہد اور آل مشہود کو اور بڑی خدمت کی ہے جناب نعیم صاحب نے۔ میں نے انھیں بھی اجازت دی ہے کھوٹہ سے سید زبیر حسین شاہ صاحب کو بھی اجازت دی ہے ان کے علاوہ اور بھی لوگوں کو اجازت دی ہے۔

سوال:۔ سوال:۔ چشتیہ سلسلے میں قوالی سننے کا معمول ہے اس کی کو شرائط بھی ہیں یا نہیں؟

جواب:۔ جی بالکل ہیں خواجہ نظام الدین اولیاء فرمایا کرتے تھے کہ

کودک نہ باشد، زن نہ باشد، محل باشد، اہل باشد

پڑھنے والا بچہ نہ ہو، عورت نہ ہو اور موقع بھی ہو اور پڑھنے والا اہلیت بھی رکھتا ہو۔

سوال:۔ سماع کے طریقے سے خواجہ غریب نواز نے اسلام کی تبلیغ کا بہت کام کیا آپ کیا فرماتے ہیں؟

جواب:۔ جی بالکل آپ ٹھیک کہتے ہیں خواجہ خواجگان جب ہندوستان آئے تو آپ نے دیکھا کہ یہاں کے ہندو بھجن گاتے ہیں اور گانے بجانے کو پسند کرتے ہیں تو آپ نے اپنے ارادت مندوں کو حکم دے دیا کہ یہ ساز پر اپنے دیوی دیوتاؤں کا نام لیتے ہیں تم اللہ کا نام بلند کرو، چنانچہ ایسا کیا گیا تو اس میں ایسی کشش اور مٹھاس تھی ہندو اس طرف آنا شروع ہو گئے اور دیکھتے دیکھتے وہ 90 لاکھ کی تعداد میں مسلمان ہو گئے۔

سوال:۔ مدارس کے نظام تعلیم سے کس حد تک مطمئن ہیں؟

جواب:۔ میں سمجھتا ہوں اس نظام تعلیم میں جمود ہے یعنی اس نظام سے طلبہ کے اندر اس طرح صلاحیت پیدا نہیں ہو رہی جس طرح کالج اور یونیورسٹی کے نظام سے ہو رہی ہے ضرورت اس بات کی ہے کہ اس نظام کے اندر اصلاحات کی جائیں اور مشترک نصاب تمام مدارس کے لئے تشکیل دیا جائے جس میں دینی اور عصری دونوں رنگ موجود ہوں۔

مفاد پرست اور ایجنسیوں کے لوگ جمعیت میں اتحاد کے راستے میں بڑی رکاوٹ بن رہے ہیں

سوال:۔ کون سا دور حکومت اچھا سمجھتے ہیں؟

جواب:۔ ابھی تک تو کوئی ایسا دور نہیں آیا البتہ لیاقت علی خان صاحب کا دور قدرے بہتر سمجھتا ہوں۔

سوال:۔ دینی کام کرنے کے سلسلے میں جن حضرات کو بہت متحرک اور فعال دیکھا ان کے بارے میں کچھ بتائیے۔

جواب:۔ مجاہد ملت حضرت علامہ عبدالستار خان نیازی ہمارے نہایت کرم فرما اور مخلص مہربان تھے ان سے قیام سرگودھا کے دوران ہی ملاقات ہوئی کیونکہ میانوالی سے اکثر ہم سے ملنے کے لئے تشریف لاتے اور کافی عرصہ ہمارے پاس قیام کر کے واپس جاتے۔ مجھ کو متحرک کرنے میں ان کا بڑا کردار تھا۔ 8 سال سرحد کا جنرل سیکرٹری کا عہدہ انہوں نے بااصرار میرے ذمہ لگایا۔

غزالی زماں درویش، کامل، عالم باعمل، مجاہد مجھ کو ان کے ساتھ منسلک ہو گیا اسی طرح نورانی صاحب کے ساتھ بھی سیاسی سوجھ بوجھ اور مذہبی جدوجہد کی وجہ سے رہا اور پیر کرم شاہ جنہوں نے اپنی ساری زندگی دینی خدمات میں بسر کی اور آخر میں بہت کچھ اہل سنت کو دے کر گئے اس وجہ سے میں ان سے بہت متاثر ہوں۔ اس کے بعد کچھ عرصہ میں اور حامد سعید کاظمی جماعت اہل سنت کی قیادت کرتے رہے مگر ہمارے ساتھ کچھ وہی لوگ جو مفاد پرستی کو زیادہ اہمیت دیتے تھے انہوں نے ہمیں بھرپور کام نہیں کرنے دیا اور ہم اس سلسلے میں مایوس ہوئے۔ اس کے بعد جب جماعت میں تبدیلی آئی تو میں نے پروفیسر سید مظہر سعید کاظمی اور علامہ پیر سید ریاض حسین شاہ کی سربراہی کو میں نے بے حد پسند کیا اور اب بھی میں یہی چاہتا ہوں کہ وہ دونوں حضرات ابھی کچھ عرصہ جماعت کی سرپرستی کریں اور کسی نہج پر پہنچ کر ہی کوئی اچھی قیادت سامنے لا کر فارغ ہوں تو زیادہ اچھا ہے کیونکہ میرے نزدیک ان دونوں کا متحد ہو کر رہنا اہلسنت کے لئے بہت مفید ثابت ہوا ہے یہی وجہ ہے کہ آج اہلسنت کی کچھ حیثیت سامنے نظر آتی ہے۔

سوال:۔ خواجہ غریب نواز علیہ الرحمۃ کے عرس پر سنا ہے کہ ایک بہت بڑی دیگ میں لنگر پکایا جاتا ہے اس کی تفصیلات کیا ہیں؟

جواب:۔ اس بارے میں اتنا عرض کرنا چاہوں گا کہ وہ ایک نہیں بلکہ دو دیگیں ہیں۔ ایک 50 من کی اور دوسری 80 من کی ہے۔ ان میں باقاعدہ درجہ بدرجہ سیڑھیاں لگی ہوئی ہیں۔ 50 من والی جہانگیر بادشاہ نے خانقاہ کے لئے عقیدت کے ساتھ بنوائی تھی اور 80 من والی اس کے والد اکبر بادشاہ نے تعمیر کروائی تھی۔ ان کے لئے جو چولہا تیار کیا گیا ہے وہ ایک بہت بڑے کمرے کی جگہ پر محیط ہے۔ ہوتا یہ ہے کہ لوگ منتیں مانتے ہیں ان دیگوں کو پکوا کر بانٹنے کی۔ قیام پاکستان کے وقت تک تقریباً 6 ہزار روپے میں چھوٹی اور 8 ہزار روپے میں بڑی دیگ تیار ہوتی تھی۔ آج تو یقیناً کئی لاکھ میں تیار ہوگی۔ اس کے علاوہ عوام میں یہ جو مشہور ہے کہ ان دیگوں میں جو بھی ڈالا جائے وہ سب پک کر ایک ہی چیز بن جاتی ہے یہ بالکل غلط ہے بلکہ لوگوں کی طرف سے ڈالے جانے والے تمام تر نذرانے خادمین کے ہاتھ لگ جاتے ہیں۔

☆☆☆

سیلِ بلا

سعید بدر

اک آفت ہے ، مصیبت ہے یا سیلِ بلا ہے
لو! چشم زدن میں، وطن ڈوب گیا ہے
ہر قریہ ہے ، ہر شہر ہے ، سیلاب کی زد میں
ہر صوبہ ہے ، ہر خطہ ہے ، زہراب کی زد میں
یہ سندھ کی موجیں ہیں کہ طوفان ہیں
اموات کا پیغام لیے ، زیرِ قبا ہیں
خواتین ہیں ، بچے ہیں کہ پیر و جواں ہیں
سب دیکھے گئے کرتے ہوئے آہ و فغاں ہیں
کئی لاکھ "بادل" سرِ راہ پڑے ہیں
کچھ بھوک سے ، کچھ پیاس سے ناچار مرے ہیں
کچھ موت کے ہاتھوں سے بھی لاچار ہوئے ہیں
باقی جو بچے ہیں ، وہ بیمار ہوئے ہیں
آباد تھے جو کل تک کبھی کوچہ و بازار
ہے موت کا اب راج وہاں قبروں کے ہیں آثار
یہ سندھ جو بپھرا ہے ، چمن ڈوب گیا ہے
پانی کا یہ ریلا ہے کہ سیلابِ بلا ہے
گھر سے ہوئے بے گھر، کئی ٹیلوں پہ پڑے ہیں
ایسے بھی ہیں جو پیڑ کی شاخوں پہ چڑھے ہیں
بھوکے بھی ہیں، ننگے بھی ہیں، حیران و پریشاں
کس غم کا مداوا کریں ، کس بات کا درماں

لیڈر ہیں کہ "دوروں" پہ ہیں ، عیش طلب ہیں
سیلاب کے مارے ہوئے یاں جاں بلب ہیں
میراث میں آئی ہے ، انہیں "مسندِ سرکار"
زاغوں کے تصرف میں ہیں عقابوں کے ہیں "گھر بار"
جاتے ہیں کبھی پیرس و لندن میں یہ "زردار"
جب قوم کے افراد ہیں ، سیلاب سے دوچار
اب روس کے دورے پہ ہیں یہ قوم کے غم خوار
جب لوگ پریشاں ہیں ، مصائب میں گرفتار
یہ نشۂ دولت میں سرمست ہیں دن رات
جاتے ہیں جہاں ساتھ میں لے جاتے ہیں بارات
یہ ظلم کے پیکر ہیں بڑے ڈھیٹ ہیں انساں
یہ رحم نہیں کرتے ، بدحال پریشاں
سیلاب میں ڈوبے ہوئے کرتے ہیں دعائیں
اے کاش! کہ یہ لوگ کہیں ڈوب ہی جائیں
آفات کے نرغے میں یہ لوگ بھی آئیں
اڑتے ہوئے طیاروں سے نہ لوٹ کے آئیں
ان بادِ نما مرغوں سے اب جان چھڑائیں
سن لے خدایا کبھی پُرسوز دعائیں
اے بدر ! ذرا ہاتھ اٹھا ، ایک دعا کر!
یہ ملک ترا شاد رہے اللہ سے ندا کر!

حالات حاضرہ و واقعات کے آئینہ میں

کھول کر آنکھیں مرے ”آئینۂ گفتار“ میں ”آنے والے دور“ کی دھندلی سی اک تصویر دیکھ!

تحریر و تفتیش: صاحبزادہ محمد سعید احمد بدر قادری

صاحبزادہ محمد سعید احمد بدر قادری المعروف بہ سعید بدر معروف سینئر صحافی ہیں۔ انہوں نے مختلف قومی اخبارات، رسائل اور جرائد میں خدمات سرانجام دی ہیں۔ وہ صحافی ہونے کے ساتھ ساتھ نعت نگار بھی ہیں۔ کچھ عرصہ وہ ماہنامہ دلیل راہ کے ایڈیٹر بھی رہے ہیں۔ گزشتہ ماہ سے انہوں نے ماہنامہ ”دلیل راہ“ میں ”حالات حاضرہ و واقعات کے آئینہ میں“ کے عنوان سے لکھنے کا آغاز کیا ہے جن میں قومی، ملکی اور بین الاقوامی حالات پر روشنی ڈالی جائے گی اور دلچسپ تجزیہ و تبصرہ پیش کیا جائے گا۔ ”دلیل راہ“ کے قارئین کے لئے یہ ایک نیا اور دلچسپ اضافہ ہے۔ امید ہے کہ اس سلسلہ سے قارئین کرام کی معلومات میں اضافہ ہوگا اور وہ اس کو پسند کریں گے۔ (ادارہ)

کس کے گھر جائے گا سیلاب بلا میرے بعد

پاکستان نہ صرف سیلاب کی زد میں ہے بلکہ سیلاب نے ملک کے ایک بڑے اور وسیع و عریض حصہ کو تباہ و برباد کر دیا ہے۔ بڑے بڑے شہر، قصبے، آبادیاں، بستیاں اور گاؤں یا تو مسلسل غرق آب ہیں یا پھر ان کا نام و نشان صفحۂ ہستی سے مٹ چکا ہے۔ کھیت اور کھلیان کے ساتھ بعض جگہ مزدور اور کسان بھی بہہ گئے ہیں۔ لاکھوں نہیں، کروڑوں روپے کی لہلہاتی فصلیں ڈوب گئی ہیں۔ یہی نہیں بلکہ لوگوں کی انفرادی ملکیت میں جو غلہ اور دیگر خوردنی اشیاء تھیں وہ بھی تباہ ہو گئی ہیں۔ کسان ہو یا بڑا زمیندار، وہ زیادہ منافع لینے کے لئے گندم اور چاول جیسا غلہ ذخیرہ کر کے رکھتا ہے کہ ایک تو اس کی سال کی ضروریات کے لئے کام آسکے، دوسرے فاضل غلہ بیچ کر وہ کچھ منافع کما سکے اور دیگر مالی ضروریات پوری کر سکے۔ خبر ہے کہ اس سیلاب میں دس لاکھ ٹن قیمتی غلہ خراب یا تباہ ہو گیا ہے۔

تباہی اور بربادی کا یہ حال ہے کہ وسیع و عریض علاقے، اس کی زد میں آئے ہیں۔ وہ لوگ جو کل تک دوسروں کو امداد دیتے تھے، آج روٹی کے ایک ایک ٹکڑے کے لئے محتاج ہیں، حتیٰ کہ امیر و کبیر ہونے کے باوجود لوگ روٹی کا ایک ٹکڑا یا گندم کا ایک دانہ کسی کو دینے کے روادار نہ تھے، وہ بھی مانگتے نظر آتے ہیں اور اب خدا کے نام پر نالہ و فریاد کرتے دکھائی دیتے ہیں۔

اخبارات کی تصویریں خوفناک اور عبرت خیز مناظر پیش کرتی ہیں، کوئی امدادی ہیلی کاپٹر ابھی فضا ہی میں منڈلا رہا ہوتا ہے لیکن ضرورت مند لوگ سیلابی پانی میں گھرے ہونے کے باوجود اس کی طرف لپک رہے ہوتے ہیں، ایک تصویر میں ہیلی کاپٹر چیزیں پھینکنے یا نیچے اترنے کے لئے کوشش کر رہا تھا کہ لوگ اس کے ساتھ ہی لٹک گئے۔ کہیں یہ منظر ہے کہ اشیائے ضرورت کا جو تھیلا نیچے آرہا ہے، اس ایک تھیلے کو پکڑنے کے لئے لوگ چاروں طرف سے ہاتھ پھیلائے اسے دبوچنے کی کوشش کر رہے ہیں اور کہیں خشک زمین کا ٹکڑا ہے تو وہاں ایک ایک روٹی کے لئے لوگ باہم دست و گریباں ہیں۔ ایسے عالم میں چھینا جھپٹی کرنے والے تو کچھ نہ کچھ حاصل کر ہی لیتے ہیں لیکن شریف و خوددار لوگ محروم رہ جاتے ہیں۔ ایک تصویر دیکھی، جس میں لوہے کے جنگلے کے اندر سے لوگ ہاتھ بڑھا کر مانگ رہے ہیں۔ ان دردناک مناظر کو دیکھ کر سنگ دل سے سنگ دل انسان کا دل پسیج جاتا ہے اور ہر درد دل رکھنے والے پر رقت طاری ہو جاتی ہے۔ اخبارات میں ہر روز ایک نہ ایک نئی تصویر چھپتی ہے جو دیکھنے والوں کو رلا جاتی ہے۔ اگر ساری تصاویر اور سارے مناظر چھپ جائیں تو شاید لوگ دیکھ دیکھ کر پاگل ہو جائیں۔ چیف منسٹر پنجاب میاں شہباز شریف ہر روز سیلاب زدگان کے پاس پہنچ رہے ہیں اور امدادی سامان بانٹ رہے ہیں، اگرچہ وہ ہیلی کاپٹر میں جاتے ہیں لیکن جہاں ہیلی کاپٹر اتر نہیں سکتا، وہاں کسی موٹر سائیکل کی لفٹ لے کر منزل مقصود پر پہنچ جاتے ہیں۔ بعض مقامات پر وہ پیدل بھی گئے ہیں۔ لیکن تباہی اس قدر زیادہ ہے کہ ان کی یہ کاوش آٹے کے منہ میں زیرے کے برابر ہیں۔

وزیر اعظم یوسف رضا گیلانی بھی دیکھا دیکھی میدان میں کود پڑے لیکن پتہ چلا کہ جن امدادی کیمپوں میں وہ "سیلاب زدگان" سے ملے اور انہیں بیس بیس ہزار روپے کے چیک دیئے، ان کے جاتے ہی وہ کیمپ "بکھر گئے" اور ان کے باسی "منتشر" ہو گئے۔ گویا وہ جعلی کیمپ تھے۔ اخبارات نے انکشاف کیا ہے کہ یہ واقعہ ایک جگہ صرف میانوالی میں نہیں ہوا بلکہ کئی مقامات پر یہ منظر دہرایا گیا ہے۔ پیپلز پارٹی دھاندلی اور جعل سازی سے کام لینے سے کبھی نہیں چوکتی۔

ہم سیلاب سے ہونے والے جس نقصان کی بات کر رہے ہیں، دراصل ابھی اس کا صحیح اندازہ نہیں ہوا۔ کوئی 250 ارب کہتا ہے اور کوئی 500 ارب کی بات کرتا ہے۔ اہل پاکستان اور پاکستان کے سرکاری و غیر سرکاری اداروں کو اس نقصان کا ذرا بھی اندازہ نہیں۔ یہ تو خدا بھلا کرے اقوام متحدہ اور بیرونی ممالک کے فلاحی اداروں کا کہ وہ سیلاب کے متاثرہ علاقوں کے اندر گھس گئے۔ انہوں نے نہ صرف متاثرین کو امداد پہنچائی بلکہ انہوں نے نقصان کے بارے میں خوب واویلا بھی کیا۔ ان کی رپورٹوں کا نتیجہ ہوا کہ اقوام متحدہ کے سیکرٹری "بان کی مون" خود پاکستان تشریف لائے اور انہوں نے متاثرہ علاقوں کا دورہ کیا تو وہ تباہی و بربادی کے مناظر دیکھ کر حیران و پریشان رہ گئے۔

پاکستان میں آنے والی تباہی مجموعی طور پر 2004ء میں بحر ہند کے سونامی سے بھی زیادہ ہے۔ اس سونامی میں ایشیاء کے 13 ممالک کے ڈھائی لاکھ افراد ہلاک ہوئے۔ 8۔ اکتوبر 2005 کو کشمیر میں آنے والے زلزلے سے 79 ہزار افراد مرے۔ جنوری 2010 میں "ہیٹی" کے زلزلے میں دو لاکھ افراد اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے لیکن موجودہ سیلاب سے پاکستان کی تباہی کہیں زیادہ ہے پاکستان کے اندر ماہرین سیلاب کا کہنا ہے کہ 1929 کے بعد اب تک آنے والے سیلابوں میں یہ سیلاب سب سے بڑا ہے اور اس کی تباہی و بربادی کے نتائج کہیں زیادہ مہیب اور ہولناک ہیں۔ اصل اندازہ تو اس وقت ہو گا جب پانی اترے گا۔ اس وقت تو بعض ایسے علاقے ہیں جہاں ابھی تک کوئی

نہیں پہنچا کیونکہ تمام راستے مسدود ہو چکے ہیں۔ سڑکیں ٹوٹ پھوٹ گئی ہیں۔ تاحد نظر پانی ہی پانی نظر آتا ہے۔ وہ پانی جو قرآن حکیم کی روشنی میں "زندگی ہے" وہ اب تباہی و ہلاکت کا باعث ہے۔ قرآن کہتا ہے" **وجعلنا من الماءِ کل شئی حی** "ہم نے ہر چیز پانی سے پیدا کی ہے"۔ لیکن اب یہی پانی اپنی ہی پیدا کردہ مخلوق کو، انسانوں کو، حیوانوں کو، جانوروں کو، کھیتوں اور کھلیانوں کو، شہروں اور آبادیوں کو ویران و برباد کیے جا رہا ہے۔ کہتے ہیں کہ یہ "عذاب الٰہی" ہے اور ہمارے اعمال بد کا نتیجہ ہے۔ ہم بھی تو لہو و لعب میں مبتلا ہیں اور اپنے خالق و مالک کو بھول گئے ہیں۔ آیئے! اسے یاد کریں، اسے پکاریں، اس سے التجا و فریاد کریں کہ وہی مددگار، دستگیر اور فریادرس ہے۔

اس کی مثال یہ ہے کہ ملک سیلاب میں غرق ہے اور ہمارا حکمران طبقہ فرانس، برطانیہ اور روس کے دورے کر رہا ہے۔ ملک کے اندر اور باہر جب اس فعل قبیح پر تنقید ہوئی تو فرمایا کہ میں تو امداد مانگنے گیا تھا، واپس آئے تو دو تین دن سیلاب زدگان کے ساتھ "فوٹو سیشن" کرائے۔ کسی کو ایک آدھ آٹے کی تھیلی دے دی اور اس کے بعد 18۔ اگست کو دوبارہ روس کے دورے پر چلے گئے۔ اعتراض ہوئے تو فرمایا کہ "یہ دورہ قومی مفاد کے لئے ضروری تھا" ان سے کوئی پوچھے کہ "قوم ڈوب رہی ہے" اور اس کا "مفاد" روس کے دورے میں مضمر ہے۔

اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل کا خدا بھلا کرے۔ انہوں نے واویلا کیا، چیخے، چلائے۔ جنرل اسمبلی کا اجلاس بلایا۔ انہوں نے ابتدائی طور پر 49 کروڑ ڈالر مانگے تھے لیکن اب تک 80 کروڑ ڈالر کے وعدے وعید جمع ہو چکے ہیں۔ ہر ملک کوشش کر رہا ہے کہ پہلے سے اعلان شدہ امداد میں اضافہ کر دے۔ ایران نے ایک کروڑ ڈالر امداد دینے کا اعلان کیا ہے۔ اس کی طرف سے خوراک کی امداد، اس کے علاوہ ہے۔ چین نے بھی امداد دوگنا کر دی ہے۔ امریکہ بھی کافی امداد دے چکا ہے، لیکن اس کے مقابلے میں پاکستان کا متمول طبقہ ابھی تک حرکت میں نہیں آیا۔ میاں برادران نے بارہ کروڑ روپیہ اور اسحاق ڈار نے ایک کروڑ روپیہ اپنی جیب سے دیا ہے۔ وزیراعظم یوسف رضا گیلانی نے اب تک ایک پیسے کا اعلان نہیں کیا البتہ انہوں نے دلچسپ اور مضحکہ خیز اعلان ضرور فرمایا ہے کہ وہ اپنے قیمتی پرانے سوٹ نیلام کر کے ان کی قیمت سیلاب زدگان کو دے دیں گے۔ سنا ہے کہ ان کا "لباس شاہی" برطانیہ اور فرانس سے آتا ہے اور ہر ایک سوٹ لاکھوں روپے کا ہوتا ہے۔ یہ "غریب" ملک کے امیر وزیراعظم ہیں، خیر سے گدی نشین بھی ہیں۔ ان کے آباؤ اجداد بوریا اور ٹاٹ پہنتے تھے لیکن یہ اطلس و کمخواب سے کم کوئی چیز پہننے پر تیار نہیں۔ حفیظ جالندھری نے کہا ہے کہ

سلام اس پر کہ ٹوٹا بوریا جس کا بچھونا تھا

باقی بڑے بڑے لوگ کہاں ہیں، رحمٰن ملک کہاں ہیں جن کے لندن میں فلیٹس اور شاندار ہوٹل ہیں، پرویز اشرف کہاں ہیں؟ جن کی کروڑوں ڈالر کی جائیداد وہاں ہے۔ سنا ہے کہ ایک وفاقی وزیر نے ایف ٹین میں دس کروڑ روپے نقد پر کوٹھی خریدی ہے لیکن اس کی جیب خاص سے دو پیسے بھی سیلاب زدگان کے لئے نہیں نکلے۔ کسانوں کو لوٹنے والے کھاد، سیمنٹ اور ٹریکٹر مینوفیکچرز جو اربوں کا منافع کما رہے ہیں، ان کے پاس غریبوں کو دینے کے لئے ایک ٹکہ بھی نہیں۔ ممتاز معمار، بحریہ ٹاؤن کے ریاض ملک نے کہا ہے کہ وطن عزیز کے 114 بڑے بڑے سرمایہ دار اس قابل ہیں کہ وہ ان ایام مصیبت میں چٹکی بھر میں 80 ارب جمع کر سکتے ہیں۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ امداد کا 80 فی صد کمیشن مافیا کھایا جاتا ہے واقف حال اور محرم راز نے قلعی کھول کر رکھ دی ہے۔

برطانیہ میں سرے محل، فرانس اور سپین میں وسیع و عریض اور خوش نما محلات کے مالک آصف زرداری نے بھی تو کچھ نہیں دیا، بلاول زرداری بھٹو جس کا بینک بیلنس (جو بے نظیر سے منتقل ہوا ہے) اربوں کھربوں کی مالیت سے زیادہ ہے۔ انہوں نے ایک "پینی" بھی نہیں دی حالانکہ امریکہ کے ایک "محرم راز" جس نے بے نظیر کا ٹیلی فون ٹیپ کیا تھا، کہا ہے کہ بے نظیر نے بیٹے سے فون پر بات کرتے ہوئے انکشاف کیا تھا کہ میں اپنے بینک بیلنس کا تخمینہ گن کر بتا نہیں سکتی کیونکہ اعداد و شمار گنتے گنتے ختم ہو جاتے ہیں۔ یہ روپیہ کہاں سے جمع ہوا؟ ساری دنیا جانتی ہے کہ پاکستانی عوام سے لوٹا گیا۔ غریب پاکستانیوں سے روٹی، کپڑا اور مکان کا وعدہ کرنے والے سب کچھ لوٹ کر لے گئے اور باقی ماندہ لوٹنے کے لئے وہ دن رات دوڑ دھوپ کر رہے ہیں۔ برطانوی اخبارات نے خوب مذاق اڑایا ہے اور تضحیک آمیز کارٹون شائع کئے ہیں۔ ٹین پرسنٹ کا الزام تو ہر اخبار نے دہرایا ہے ایک نے تو یہ تک لکھ دیا کہ ڈیوڈ کیمرون وزیراعظم برطانیہ کو صدر پاکستان سے ہاتھ ملانے کے بعد اپنی انگلیاں گن لینا چاہئیں تھیں۔ یہ اس صدر کا شاہانہ استقبال ہے جس نے پاکستان کے خلاف توہین آمیز کلمات کے باوجود وہاں کا دورہ کیا جبکہ اس کے معاملے میں بھارت کی سونیا گاندھی نے کیمرون کے ساتھ اپنی طے شدہ ملاقات اس لئے منسوخ کر دی کیونکہ کیمرون نے دو گھنٹے قبل نجی محفل میں سونیا کے خلاف "ریمارکس" دئے تھے۔

غیرت بڑی چیز ہے جہان تگ و دو میں
پہناتی ہے درویش کو تاج سر دارا

سیلاب سے پیدا شدہ حالات کا مقابلہ کرنے کے معاملے میں سول انتظامیہ انتہائی غیر مؤثر ثابت ہوئی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سارے کا

سارا کام فوج کے ذمے آن پڑا۔ پاک فوج نے جس طرح موقع پر پہنچ کر ڈوبتے ہوئے لوگوں کو بچایا ہے، وہ ہر لحاظ سے قابل تعریف ہے۔ ہزاروں لوگ جو چاروں طرف سے پانی میں گھر چکے تھے، ان کے گھر ڈوب چکے تھے۔ انہیں ہیلی کاپٹروں کے ذریعے نکالا گیا اور محفوظ مقامات تک پہنچایا گیا۔ جہاں ایسا کرنے میں دشواری تھی، وہاں فوجی جوان کشتیوں کے ذریعے پہنچے، سیلاب زدگان کے پاس کچھ نہیں بچا تھا، فوج نے انہیں کھانا اور پینے کے لئے پانی مہیا کیا۔ چیف آف آرمی سٹاف جنرل پرویز کیانی خود بھی متاثرہ مقامات پر پہنچتے رہے اور سیلاب زدگان کے علاوہ جوانوں کا حوصلہ بڑھاتے رہے۔ اس کام میں فوج کے 80 ہزار جوانوں نے حصہ لیا اس کے مقابلے میں پی پی پی کے 80 افراد نے بھی حصہ نہیں لیا۔ انہوں نے لاہور میں کیمپ لگایا تو نہ کوئی چندہ دینے آیا اور نہ امدادی سامان کیمپ ویران پڑا رہا۔

سیلاب کی وجہ سے فوج اور عوام کے درمیان اخوت اور محبت کا رشتہ ایک بار پھر بحال ہو گیا ہے۔ یہ رشتہ فوجی آمرتوں کی غلط کاریوں سے مجروح ہو گیا تھا۔ اب فوجی جوانوں کو دیکھ کر آنکھوں میں چمک دمک پیدا ہو جاتی ہے۔ ایسا جذبہ صرف 1965ء میں دیکھا گیا تھا، وفاقی شعبے کی تینوں سروسز نے شاید پہلی بار اپنے عوام کو بچانے کے لئے اس قدر سرگرمی دکھائی ہے لیکن "منتخب حکومت" سے عوام متنفر ہو رہے ہیں، پی پی پی کی حکومت اب تک محض شعبدہ بازی سے کام لے رہی ہے اور "کچھ کر کے دکھانے کی بجائے" پنجاب حکومت پر برس رہی ہے اور اس کے چیف منسٹر کے سیلابی علاقوں کے دوروں کا مذاق اڑا رہی ہے۔ مزے کی بات ہے کہ سیلابی سیاست کرنے کا طعنہ دینے والے خود سیلابی سیاست کر رہے ہیں، ان کے کیمپ جعلی ہوتے ہیں جو وزیراعظم کے جاتے ہی "اجڑ" جاتے ہیں۔ حالات کے تیور بتا رہے ہیں کہ یہ سیلاب، موجودہ حکومت کو لے ڈوبے گا۔ اتحادی جماعت ایم کیو ایم کے الطاف حسین نے فوج کو دعوت دے دی ہے جس کی اپکا ڑا نے حمایت کر دی ہے۔

☆☆☆

مارشل لا کو دعوت۔۔۔۔۔عوام کی ضرورت

متحدہ قومی موومنٹ کے قائد الطاف حسین نے کرپٹ سیاست دانوں کے خلاف مارشل لاء جیسے اقدامات کی حمایت کا اعلان کر دیا ہے انہوں نے کہا ہے کہ جاگیرداروں، وڈیروں سے نجات کے لئے انقلاب فرانس جیسے انقلاب کی ضرورت ہے۔ اپنی زمینوں کو بچانے کے لئے بندوں کے پشتے توڑنے والے انسانیت کے مجرم ہیں۔ امریکا اپنی دوہری اور دوغلی پالیسی ترک کرے اور کرپٹ زمینداروں، جاگیرداروں اور وڈیروں کا ساتھ دینے کی بجائے پاکستانی قوم کا ساتھ دے۔ فوج کے محب وطن جرنیل اور آئی ایس آئی خدارا اب ان ڈاکوؤں اور لٹیروں کا ساتھ دینا چھوڑ دے۔ ان خیالات کا اظہار انہوں نے کہ آج عزیز آباد میں ایم کیو ایم کے جنرل ورکرز سے ٹیلی فون پر خطاب کرتے ہوئے کیا۔

برسوں سے برطانیہ میں مقیم اور وہاں کی شہریت ہولڈر الطاف حسین نے کہا ہے کہ آج پورے ملک کے محب وطن عوام کے لئے یہ لمحہ فکریہ ہے کہ گزشتہ 63 برسوں کے دوران میں غریب متوسط طبقے کے ایماندار لوگوں کو حق حکمرانی نہیں دیا گیا اور ان کی بجائے بڑے بڑے جاگیردار اور وڈیرے میوزیکل چیئر کے کھیل کی طرح اقتدار پر قبضہ جماتے رہے۔ عوام اور ملک کو دونوں ہاتھوں سے لوٹا جاتا رہا ہے اور ہمارے ارباب اختیار اور اسٹیبلیشمنٹ کھلی آنکھوں سے سب کچھ دیکھتی اور تماشہ کرتی رہی۔ جب 2005 میں زلزلہ جیسی آفت آئی تو اس وقت ہیلی کاپٹر موجود نہ ہونے کا رونا رویا جا رہا تھا۔ آج پھر وہی رونا رویا جا رہا ہے۔ اس وقت جو اربوں، کھربوں کی امداد ملی تھی وہ کہاں ہے؟ اس امداد سے قدرتی آفات اور ناگہانی حادثات سے بچنے کے لئے امدادی سامان، مشینیں اور ہیلی کاپٹر کیوں نہ خریدے گئے؟ وہ امداد آخر کہاں گئی؟

الطاف حسین نے کہا کہ ہماری خارجہ پالیسی آزاد اور خود مختار نہیں بلکہ یہ دوسروں کی رہین منت ہے۔ اس کے مقابلے میں 99 کے بعد بھارت کی پالیسی زیادہ موثر ہے (دلچسپ امر یہ ہے کہ الطاف حسین ہمیشہ ہی سے بھارت کی تعریف کرتے ہیں بلکہ ایک دفعہ تو یہ بھی ارشاد فرمایا کہ پاکستان کا قیام ہمارے بزرگوں کی غلطی تھی اور دونوں ممالک کے درمیان ویزا کی پابندی نہیں ہونا چاہئے)۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے سفارت کار بیرون ملک دوروں میں ملک کا مقدمہ بہتر طریقے سے پیش کرنے کی بجائے بڑے بڑے شاپنگ پلازوں کی سیر کرتے ہیں اور بھارتی اپنے ملک کے مقدمے کو موثر طریقے سے پیش کرتے ہیں۔ ناقص خارجہ پالیسی جاگیرداروں اور وڈیروں اور کرپٹ جرنیلوں کے ذریعے تبدیل نہیں ہو سکتی۔ انہوں نے کہا افواج پاکستان بہت منظم اور کڑے وقت میں قربانیاں پیش کرنے والا ادارہ ہے۔ اس کے جوانوں کی اکثریت کا تعلق غریب، محنت کش یا متوسط طبقے سے ہے۔ دہشت گردی کے خلاف جنگ ہو یا سیلاب زدہ لوگوں کو بچانے کی مہم ہو یا زلزلہ زدگان کی امداد کا مسئلہ درپیش ہو فوج ہر جگہ اور ہر مقام پر قربانیاں دے کر ملک کے عوام کی حفاظت کرتی ہے۔ فوجی جرنیل اگر جمہوری حکومتوں کا تختہ الٹ سکتے ہیں تو وہ وڈیروں، جاگیرداروں، زمینداروں کے کرپٹ کلچر کا خاتمہ کیوں نہیں کر سکتے۔ انہوں نے پاک فوج کے

محبِ وطن جرنیلوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ اگر محبِ وطن جرنیل ظالمانہ، جاگیردارانہ اور سرمایہ دارانہ نظام کے خاتمہ کے لئے اقدام کرتے ہیں تو ہم ان کا پورا پورا ساتھ دیں گے۔ اگر جرنیل چوروں اچکوں، ڈاکوؤں، اور ملکی دولت لوٹنے والوں سے نجات دلانے اور معاشرے کی اصلاح کے لئے آگے بڑھتے ہیں تو بڑی برائی کے خاتمہ کے لئے ہمیں چھوٹی برائی قبول ہے۔

الطاف حسین کا یہ بیان جہاں ایک طرف دھماکہ خیز ہے، وہاں حیران کن اور پریشان کن بھی ہے کیونکہ وہ موجودہ حکومت کے دو سال سے دست و بازو ہیں۔ اس سے پہلے وہ جنرل مشرف کی حکومت میں شامل رہ کر پورے مفادات حاصل کرتے رہے، حالانکہ اس نے بھی ذاتی مفاد کے لئے اقتدار پر قبضہ کیا تھا اور اس نے جاگیرداروں اور وڈیروں کا خاتمہ کرنے کی بجائے ان کو اور بھی بڑھاوا دیا جس کے نتیجہ میں امیر امیر تر اور غریب غریب تر ہو گیا، بلکہ اس نے ملک کے اربوں کھربوں لوٹ کر غیر ممالک میں قیمتی مکانات اور فلیٹس خرید لئے۔ اسلام آباد کے چک شہزاد میں اس کی وسیع و عریض محل نما رہائش گاہ اربوں روپے کی مالیت ہے۔

بہر حال الطاف حسین کی طرف سے اس بیان کے آتے ہی مفاد پرست قوتیں اور جاگیرداروں کا ٹولہ بھانت بھانت کی بولیاں بول رہا ہے۔ ملتان کے جاگیردار، روحانی پیشوا اور گدی نشین وزیر اعظم گیلانی نے فرمایا ہے کہ "ہم کسی غیر آئینی اقدام کا تصور بھی نہیں کر سکتے، مارشل لاء کی بات عوامی خواہشات اور آئین کے خلاف ہے جبکہ نومولود جاگیردار، صنعت کار سیاست دان میاں محمد نواز شریف نے فرمایا ہے کہ الطاف حسین جرنیلوں کو خوش کر رہے ہیں۔ نواز شریف کو یہ یاد نہیں رہا کہ وہ تحریک استقلال کی جمہوری پارٹی اور ائیر مارشل اصغر خاں کو چھوڑ کر، مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر پنجاب اور گورنر پنجاب جنرل غلام جیلانی کی دعوت پر پنجاب کے وزیر خزانہ بن گئے تھے اور پھر جنرل ضیاء الحق کے بوٹ چاٹ کر وزارت عظمیٰ کے عہدے تک پہنچ گئے۔ پاکستان میں کون سا لیڈر رہا ہے جو یہ دعویٰ کر سکے کہ وہ فوج کے جرنیلوں کی حمایت کے بغیر برسر اقتدار آیا ہو۔ خود بھٹو صاحب پہلے اسکندر مرزا اور پھر ایوب خاں کی خوشامد سے حکومت میں آئے۔ یہی حال بے نظیر کا ہے جنہوں جنرل کاکڑ کے دور میں بالواسطہ فوج کے جرنیلوں کی مدد لی۔

مسلم لیگ کے چوہدری نثار نے بھی الطاف حسین کے اس بیان کی مخالفت کی ہے اور کہا ہے کہ الیکشن کمیشن اور سپریم کورٹ اس کا نوٹس لے۔ گویا ہر کام اب سپریم کورٹ کرے۔ آپ صرف "بیانات" دیتے رہیں۔

مسلم لیگ فنکشنل کے سربراہ اور سندھ میں "حروں" کے لیڈر نیز روحانی پیشوا نے الطاف حسین کے بیان کی حمایت کرتے ہوئے کہا ہے کہ "یہ وقت کی اہم ترین ضرورت ہے" البتہ انہوں نے کہا کہ "پاکستان میں اب کوئی جاگیردار نہیں رہا" حالانکہ وہ خود بھی گدی نشین جاگیردار ہیں۔ یادش بخیر! پیر پگاڑا جی ایچ کیو کے آدمی کے طور پر مشہور ہیں اور وہ اس بات پر ہمیشہ فخر کرتے ہیں۔ انہوں نے ہمیشہ ہر مارشل لا اور ہر آمر فوجی جرنیل کی حمایت کی ہے معلوم ہوتا ہے کہ دال میں "کچھ" "کالا ضرور" ہے۔

جماعت اسلامی کے امیر سید منور حسن نے کہا ہے کہ مارشل لا کی وجہ سے ملک پہلے ہی بدحالی کا شکار ہے۔ آئی ایس آئی کے سابق سربراہ ور دانش ور جرنیل حمید گل نے کہا ہے کہ ایم کیو ایم نے فوج سے ہمیشہ سمجھوتہ کیا ہے اور کسی نہ کسی طرح مارشل لا ایڈمنسٹریٹر سے فائدے اٹھائے ہیں۔ سب سے زیادہ جنرل پرویز مشرف سے اٹھایا ورنہ انہیں کراچی میں کبھی اقتدار نہ ملتا۔ انہوں نے کہا کہ "ایجنسیوں" کی اصطلاح سب سے پہلے ایم کیو ایم نے استعمال کی اور وہ ہر بات کو ایجنسیوں سے منسوب کیا کرتے تھے۔ اب الطاف حسین کا یہ بیان کہ بعض جرنیل محبِ وطن ہیں اور بعض نہیں، ذو معنی بات ہے۔ ان سے دریافت کیا جائے کہ محبِ وطن ہونے کا کیا پیمانہ ہے؟ میری معلومات کے مطابق جنرل ضیاء الحق کے دور میں ایم کیو ایم پروان چڑھی۔ یہ بات قابل غور ہے کہ ایم کیو ایم اینٹی اسٹیبلشمنٹ کی بات کرتی رہی لیکن ہر مارشل لا دور میں اس نے فوج سے سمجھوتہ کیا۔ 12 مئی کے واقعہ کو دیکھ لیں تو معلوم ہو جائے گا کہ کس کا فوج سے کتنا تعلق تھا؟ میرے خیال میں ہر فوجی دور میں ایم کیو ایم نے فائدے ہی اٹھائے ہیں، اس لئے وہ فوج کے ساتھ تعلقات میں آسودگی محسوس کرتی ہے۔

عوام نے الطاف حسین کے بیان پر ملے جلے ردعمل کا اظہار کیا ہے۔ ملک میں محنت کشوں کی تنظیم نے اسے جمہوریت کے خلاف سازش قرار دیا ہے جبکہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ فوج جب بھی برسر اقتدار آئی ملکی حالات بہتر ہوئے۔

اس وقت بھی لوگ جمہوری حکومت کے عوام کش رویے سے تنگ ہیں، روز افزوں مہنگائی، اشیائے ضرورت کی کمیابی، اس کے حصول کے لئے قطاروں میں کھڑے ہونے کی ذلت و خواری، لوڈ شیڈنگ کا عذاب، امن و امان کی ناقص صورت حال، نہ کوئی گھر میں محفوظ ہے اور نہ کوئی بازار میں، پولیس عوام کی محافظ ہونے کی بجائے انہیں پولیس مقابلوں میں مرواتی ہے اور اب سیالکوٹ کا واقعہ اس کا ثبوت ہے کہ اس نے اپنی آنکھوں کے سامنے دو بے گناہ بھائیوں کو مروا دیا اور ٹس سے مس نہ ہوئی حالانکہ اگر وہ صرف ہوائی فائرنگ ہی کر دیتی تو لوگ بھاگ

جاتے۔ تھانوں کے اندر تشدد کر کے لوگوں کو مارا پیٹا جاتا ہے حتیٰ کہ "جان" سے فارغ کر دیا جاتا ہے۔ کوئی پوچھنے والا نہیں، عدالتیں مجرموں کو سزا دیتی ہیں اور صدر مملکت ان کو خاص رعایت دے کر رہا کر دیتے ہیں۔ عدالت جعلی ڈگری ہولڈر کی سرزنش کرتی ہے اور حکمران جماعت نہیں دوبارہ ٹکٹ دے کر ضمنی انتخاب میں جتوا دیتی ہے اور اس طرح عدالتوں کا "مذاق" اڑایا جاتا ہے۔ وزیراعظم آج سیلاب کمیشن بنانے کا علان کرتے ہیں اور کل منحرف ہو جاتے ہیں۔ رہی سہی کسر طالبان "ظالمان" کے حملے پوری کر دیتے ہیں، لوگ گھروں میں، بازاروں میں، سکولوں میں، کالجوں میں حتیٰ کہ عبادت گاہوں میں طالبان کے حملوں سے محفوظ نہیں ان حالات سے مجبور ہو کر لوگ مارشل لاء کے نفاذ پر مٹھائیاں بانٹتے ہیں۔ اب پھر تیاریاں ہو رہی ہیں۔

حال ہی میں کئے جانے والے ایک سروے میں جو اعداد و شمار سامنے آئے ہیں، وہ اس خیال کو تقویت دیتے ہیں کہ لوگ موجودہ "جمہوری حکومت" سے تنگ آ چکے ہیں۔ سروے میں 70 فی صد عوام نے مارشل لا کی حمایت کی ہے۔ اس سے حکومت کی "گڈ گورننس" کے دعووں کی قلعی کھل جاتی ہے۔ لوگوں کو ایسی جمہوریت سے کیا غرض جس میں مہنگائی اور لوڈشیڈنگ نے ان کا جینا حتیٰ کہ "مرنا" بھی محال کر دیا ہے۔ لوگ اب پھر سے مشرف جیسے جرنیل کے بدترین دور کو، زرداری اور گیلانی کے "دور" کے مقابلے میں نسبتاً بہتر قرار دے رہے ہیں۔ یہ ہماری بدنصیبی ہے۔

☆☆☆

خبروں پر دلچسپ تبصرے

ہاتھ میں ہاتھ

"لوگ ہمارے ہاتھ میں ہاتھ دیں، چھوڑ کر جانے والے نہیں (گورنر پنجاب)۔

لوگ آپ کے ہاتھ میں ہاتھ تو دے دیں لیکن خدشہ ہے کہ آپ ان کا ہاتھ ہی لے کر بھاگ جائیں۔ ویسے آپ ان سے "ہاتھ" بھی کر سکتے ہیں" جو آپ لوگوں کا پرانا طریقہ ہے۔ ہاتھ چلے جانے کا خدشہ اس لئے ہے کہ صدر پاکستان آصف زرداری نے اہل وطن کو سیلاب میں ڈوبتا چھوڑ کر جب انگلستان اور فرانس کا دورہ کیا تو برطانیہ کے وزیراعظم ڈیوڈ کیمرون سے ہاتھ ملایا تو اس پر برطانیہ کے ایک ممتاز اخبار نے دلچسپ کارٹون بھی شائع کیا اور تبصرہ کیا کہ "وزیراعظم برطانیہ کو آصف زرداری سے ہاتھ ملانے کے بعد اپنے ہاتھ کی انگلیاں گن لینا چاہیے تھیں"۔

سن تو سہی جہاں میں ہے تیرا فسانہ کیا

اگر آصف زرداری کی "شہرت" کا یہ حال ہے تو آپ کا تو خدا ہی حافظ کہ وہ آپ کے "ہاتھ" سے کیا "ہاتھ" کریں گے۔

یاد ش بخیر گورنر سلمان تاثیر صاحب ایک ممتاز ادبی شخصیت اور ماہر تعلیم ڈاکٹر محمد دین تاثیر کے فرزند ارجمند" ہیں۔ افسوس ہے کہ عظیم باپ کی خوبیوں سے یکسر محروم ہیں۔

صوبوں کو اپنے وسائل پر انحصار کا مشورہ

"خیبر پختون خوا کی طرح پنجاب بھی سیلاب کے حوالے سے اپنے وسائل پر انحصار کرے" (رحمٰن ملک)۔

وزیر داخلہ رحمٰن ملک سے استفسار کیا جا سکتا ہے کہ اگر صوبوں نے آپ کے بقول اپنے وسائل پر ہی انحصار کرنا ہے تو پھر وفاقی حکومت کس مرض کی دوا ہے؟ دنیا بھر کے ممالک اب تک کروڑوں ڈالر کی جس امداد کا اعلان کر چکے ہیں وہ کہاں جائے گی؟ گزشتہ ادوار میں تو صرف "10 پرسنٹ" ہی لئے جانے کا الزام ہے اب "سو فی صد" اڑانے کے ارادے معلوم ہوتے ہیں۔ آپ کے تو پہلے ہی لندن میں منافع بخش ہوٹل اور فلیٹس ہیں آپ کو "امداد" کی کیا ضرورت ہے؟ بے چارے سیلاب زدگان میں تقسیم کرنے دیں، کچھ وفاق تقسیم کرے اور کچھ صوبے، مل جل کر کام کیا جا سکتا ہے۔ آپ اب بھی سیاست کر رہے ہیں۔ اتنے بڑے عذاب الٰہی کے نزول کے باوجود۔

حج اور عمرے کی رقم

"دوہرے حج، عمرے پر پابندی لگا کر رقم متاثرین سیلاب کو دی جائے" (سینئر نائب صدر حاجی عدیل اے این پی)

مذہب پر حملہ کرنے کا آپ کو حج پر موقع ملا ہے۔ دنیا جانتی ہے کہ آپ کے رہنما عبدالغفار خاں المعروف باچا خاں سیکولر تھے بلکہ بعض روایات کے مطابق کمیونسٹ تھے۔ قیام پاکستان کی انہوں نے ڈٹ کر مخالفت کی اور مسٹر گاندھی سے انہی خدمات کے عوض "لاکھوں روپے کی

تھیلی" وصولی کی۔ ان کے فرزند ارجمند ولی خاں پکے کمیونسٹ مشہور تھے اور اب آپ نے "سیکولر" ہونے کا نعرہ لگا رکھا ہے۔ ویسے ہم بھی اس مطالبے کے دل سے حامی ہیں کہ حج اور عمرے کی آمدنی بنی نوع انسان کی خدمت کے لئے صرف کر دی جائے تو "ثواب زیادہ ہوگا" اللہ اور اس کے رسول مقبول ﷺ بھی یقیناً خوش ہوں گے" لیکن سوال یہ ہے کہ سیکولر اور کمیونسٹ لوگوں کا بھی تو فرض ہے۔ اللہ کے نام پر نہ سہی، انسانیت دوستی کے حوالے اپنی "تجوریوں" کے منہ کھولیں، خیبر پی کے کی اے این پی کے "بڑے بڑے لوگ" بھوکے ننگے نہیں ویسے ہماری اطلاع کے مطابق اب تک آپ نے ایک پیسہ دینے کا اعلان نہیں کیا اور نہ ہی محترم المقام اسفندیار ولی نے ہی کوئی پیشکش کی ہے۔

امریکہ بہادر کا تازہ حکم

"پاکستان کو بھارت اور افغانستان سے مثبت تعلقات رکھنا ہوں گے" (امریکہ)۔

پاکستان کے لئے امریکا کا ایک اور حکم۔ ویسے تو یہ "احکامات" روز کا معمول ہیں یہ احکامات کبھی مشوروں کی صورت میں موصول ہوتے ہیں اور کبھی دھمکیوں کی شکل میں۔ اس حکم کے مطابق پاکستان کو بھارت سے مثبت تعلقات قائم کرنا ہوں گے۔ خواہ وہ کشمیر میں سات لاکھ افواج کے بل بوتے پر کشمیریوں کو مسلسل غلام بنائے رکھے، ان کے بنیادی حقوق سلب کرے، ان کے بچوں، جوانوں اور عورتوں جب چاہے گولی مار دے۔ اگر کشمیر بھارت کا اٹوٹ انگ ہے تو گزشتہ 100 دنوں سے کشمیر میں ہڑتالیں کیوں ہو رہی ہیں، کرفیو کی خلاف ورزی جاری ہے۔ لوگ پولیس اور فوج سے الجھ پڑتے ہیں کیا یہ سب لوگ دہشت گرد ہیں اور پاکستان سے گئے ہیں؟ لیکن بھارت کے ان ظلم و ستم کے باوجود پاکستان کو اس سے "مثبت تعلقات" کے قیام کا حکم دیا گیا ہے۔ امریکہ بہادر کی طرف سے اور وہ "زرداری صاحب" یہ حکم ضرور بجا لائیں گے۔

شاہ محمود کی شاہ خرچیاں

"شاہ محمود کی شاہ خرچیاں، نیو یارک کے مہنگے ہوٹل میں قیام کیا۔ ہوٹل میں قیام پر 20 ہزار ڈالر خرچ آیا"۔

وزیر خارجہ شاہ محمود قریشی خیر سے گدی نشین ہیں، سیاسی اور روحانی پیشوا ہیں، دانت چبا چبا کر بات کرتے ہیں، امریکہ سیلاب زدگان کے لئے مدد مانگنے گئے ہیں لیکن امداد ملے نہ ملے وہ بعد کی بات ہے، 20 ہزار ڈالر ہوٹل پر ہی خرچ کر ڈالے۔ زرداری صاحب بھی برکلے ہوٹل ہی میں قیام کرتے ہیں، لیکن قریشی صاحب نے ابھی تک کسی سیلاب زدہ علاقے کا دورہ کر کے تصویر نہیں اتروائی۔ انہیں غیر ملکی دوروں سے فرصت ملے تو کچھ کریں۔

ملک کی تشکیل کا مقصد

"قرارداد مقاصد اور قرارداد پاکستان کو ملا کر پڑھنے سے ملک کی تشکیل کا مقصد سامنے آجائے گا" (چیف جسٹس آف پاکستان جسٹس افتخار محمد چوہدری)۔

چیف جسٹس نے بھٹکی ہوئی قوم کی اپنی گم گشتہ منزل کی خبر دے دی اور اسے قومی نظریہ کا سرچشمہ بتایا، لیکن یہاں ایسے لوگ بھی ہیں جو ان قراردادوں میں بھی کیڑے نکالتے ہیں۔ الطاف بھائی قرارداد پاکستان کو ہی نہیں مانتے، ان کا کہنا ہے کہ قیام پاکستان ہمارے بزرگوں کی غلطی کا نتیجہ ہے۔ بعض دوسرے لوگ بھی ہیں جو جدوجہد پاکستان میں نہ صرف شریک نہ تھے بلکہ اس کے سخت مخالف تھے۔ آج وہ پاکستان کے "مامے" بنے ہوئے ہیں اور اس پر ملکیت کا دعویٰ کرتے ہیں، اس کو چلانے کے طریقے بتاتے ہیں اور "سیکولرازم" میں اس کا علاج سمجھتے ہیں۔

کشمیر بھارت کا حصہ

بھارتی دھمکیوں پر "گوگل" نے پوری ریاست کشمیر کو بھارت کا حصہ قرار دے دیا۔

بھارت کی دھمکیوں سے مجبور ہو کر گوگل نے مقبوضہ کشمیر ہی نہیں بلکہ آزاد کشمیر کو بھی اس کا حصہ قرار دے دیا ہے۔ دراصل بھارت نے سرچ انجن گوگل (Google) کو قانونی نوٹس جاری کیا تھا جو بھارت کی وزارت آئی ٹی اور کمیونی کیشن کی طرف سے جاری کیا گیا کہ بھارت کا نقشہ بدلنے پر آئی ٹی ایکٹ کی دفعہ 69 اور 79 کے تحت کارروائی کی جائے گی۔

لیکن پاکستانی حکومت "خاموش" ہے۔ نہ یہاں رحمٰن ملک کی وزارت داخلہ نے نوٹس لیا ہے اور نہ شاہ محمود قریشی کی وزارت خارجہ نے۔ رہے صدر صاحب تو وہ "دوروں" میں مصروف ہیں اور وزیراعظم کو "مبہم" بیانات سے فرصت نہیں۔

☆☆☆

استقامت۔۔۔کامیابیوں کا جوہر حقیقی

عن سفیان ابن عبداللّٰہ الثقفی قال قلت یا رسول اللّٰہ قل لی فی الاسلام قولا لا اسئل عنہ احدا بعدک وفی حدیث ابی اسامۃ غیرک قال قل آمنت باللہ ثم استقم

سید ریاض حسین شاہ

سفیان بن عبداللہ ثقفیؓ سے روایت ہے کہ میں نے حضورﷺ کی خدمت میں عرض کی یا رسول اللہﷺ اسلام سے متعلق مجھے کوئی ایسا رشاد فرمایئے کہ پھر میں آپ کے بعد کسی اور سے سوال نہ کروں۔ ابو اسامہ کی حدیث میں "غیرك" کا لفظ ہے آپ نے فرمایا کہہ میں اللہ پر یمان لایا پھر اسی پر جم جا (مسلم شریف کتاب الایمان باب جامع اوصاف الاسلام)۔

اسی مفہوم کی ایک حدیث ابن ماجہ نے اپنی سنن میں نقل کی۔

حضرت ثوبانؓ فرماتے ہیں نبی کریمﷺ نے ارشاد فرمایا:

"ایمان پر جم جاؤ اور استقامت اختیار کرو لیکن لگتا نہیں کہ تم ایسا کر سکو گے اور اس پر یقین رکھو کہ تمہارے دین میں سب سے اچھی چیز نماز ہے اور وضو محفوظ طریقے سے مؤمن ہی کر سکتا ہے" (ابن ماجہ کتاب الطہارۃ)۔

استقامت کی ابتدائی حالت یہ ہوتی ہے کہ معاملات میں سستی نہیں ہوتی۔ متوسط لوگوں کی استقامت یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنی روحانی منزل کی طرف بڑھتے رہتے ہیں اور استقامت کی انتہائی حالت یہ ہوتی ہے کہ اللہ اور بندے کے درمیان حجاب اور پردہ نہیں رہتا۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کے نزدیک استقامت کا مطلب شرک سے بچنا ہے۔

حضرت عمر فاروقؓ فرمایا کرتے تھے کہ استقامت یہ ہے کہ انسان اطاعت سے لومڑی کی طرح کھسک نہ جائے۔

حضرت ابن عطا کے نزدیک اللہ کی طرف پوری دلجمعی سے توجہ دینا استقامت ہے۔

حضرت ابوعلی جوزجانی فرماتے تھے کہ مرتبے نہ مانگنا استقامت ہے۔

حضرت واسطی فرماتے ہیں استقامت سے مراد وہ خصلتیں اور عادات ہیں جن سے انسانی خوبیوں کی تکمیل ہوتی ہو۔

حضرت شبلی کے نزدیک موجود وقت کو قیامت سمجھنے والا شخص صاحبِ استقامت ہوتا ہے۔

امام قشیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

استقامت کے تین درجے ہیں:

بات چیت میں استقامت یہ ہے کہ غیبت زبان پر نہ آئے۔

کاموں میں استقامت سے مراد یہ ہے انسان بدعت سے قریب بھی نہ جائے۔

اور

عمل میں استقامت سے مراد سستی کا ترک کرنا ہے۔

امام قشیری رحمۃ اللہ علیہ نے استاد ابوعلی دقاق رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کرتے ہوئے استقامت کے یہ تین درجے نقل کیے ہیں:

(ا) تقویم

(ب) اقامت

(ج) استقامت

نفس انسانی کو ادب اور آداب سکھانا تقویم ہے۔

دل کو غیر کے خیالات سے پاک کرنا اقامت ہے۔

اور

نفس کو خدائی رازوں سے واقفیت دلانا استقامت ہے۔

قرآن مجید میں صاحبِ استقامت آدمی کو اللہ تعالیٰ نے نو انعامات عطا کرنے کا وعدہ کیا ہے:

(ا) ان پر فرشتے نازل ہوتے ہیں۔

(ب) دنیا میں اندیشوں سے محفوظ رکھنا۔

(ج) آخرت میں حزن وملال اور پریشانی سے بچانا۔

(د) جنت کی بشارت۔

(ھ) دنیا میں خدائی مددوں کا وعدہ۔

(و) آخرت میں اللہ رب العلمین کی دوستی۔

(ذ) نفس کی ہر خواہش کی تکمیل۔

(خ) ہر دعویٰ کی تکمیل۔

(ط) غفور رحیم کی مہمان نوازی۔ (حم السجدہ 30 تا 33)

حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم ارشاد فرماتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کی خدمت میں عرض کیا یارسول اللہ ﷺ مجھے کوئی وصیت فرمایئے:

آپ ﷺ نے فرمایا:

کہو میرا رب اللہ ہے پھر اس پر مستقیم رہو

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے فرمایا:

''میرا رب اللہ ہے''

''اللہ کی مدد ہی سے مجھے توفیق ہے''

''میں نے اسی پر توکل کیا''

''اور میں اللہ ہی کی طرف رجوع کرتا ہوں''

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ابوالحسن!

تمہیں یہ علم مبارک ہو (مرقات: ملاعلی قاری)۔

صوفیائے کرام کے نزدیک استقامت ہر کرامت سے افضل ہے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا استقامت پر قائم رہنا سخت مشکل کام ہے۔

اسلاف اور اکابر کے کلام سے جو بات سمجھ آتی ہے وہ یہ ہے کہ استقامت کا پہلا تعلق عقیدہ اور ایمان کے ساتھ ہے۔ اسلام میں عقیدہ کا نصاب متعین ہے۔ توحید ہے، ایمان رسالت ہے، ایمان کتب الہامیہ، ایمان بما بعد الموت ہے اور حشر و نشر کا ایمان ہے۔ عقیدہ و ایمان کی جہتیں متعین ہیں ان میں متزلزل نہ ہونا استقامت ہے۔

عمل کی استقامت عمل پر دوام ہے اور احکام مفروضہ و مسنونہ پر عمل کی انتہائی کوشش ہے۔

رویوں میں استقامت یکسوئی کا دوسرا نام ہے۔ جس عمل میں افکار کے اندر انتشار نہ ہو اور وہ سنت کے مطابق نہ ہوں مستقیم نہیں ہو سکتے۔

روحانیت میں استقامت تلون مزاجی سے بچنا ہے اور ہر صورت میں حال کا ایک رہنا ہے۔ اخلاق میں استقامت جمالیاتی حسوں کی تشفی اور کیفیات کا صحیح اور درست رہنا ہے۔

رسالہ قشیریہ میں کتاب کے مولف نے حضرت جنید کے حوالہ سے ایک دلچسپ روایت نقل کی ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

میں ایک دن جنگل کی طرف جا نکلا وہاں ایک ببول کے درخت کے نیچے ایک نوجوان سے ملاقات ہوئی میں نے اس سے پوچھا:

یہاں کیوں بیٹھے ہو؟

وہ کہنے لگا ایک حالت تھی جو گم ہو گئی ہے۔ چنانچہ میں وہاں سے چل پڑا اور اسے وہیں رہنے دیا۔ جب میں حج کر کے واپس ہوا تو وہ نوجوان اسی جگہ اس درخت کے نیچے بیٹھا پایا، میں نے پھر پوچھا:

تم ابھی تک اسی جگہ بیٹھے ہو

آخر کس لیے؟

اس نے جواب دیا کہ میں جس چیز کی تلاش میں تھا وہ مجھے اس مقام پر مل گئی ہے۔

لہٰذا میں ادھر ہی جم کر بیٹھ گیا ہوں۔

حضرت جنید ؓ فرماتے ہیں:

میں یہ نہ جان سکا اس کی دو حالتوں میں سے کون سی حالت زیادہ اچھی تھی۔

ایک تلاش کی حالت

اور

دوسری مقصود کے مل جانے کے بعد ادھر ہی جم جانا۔
وہ لوگ بڑے بلند بخت ہوتے ہیں
جو حقیقت تلاش کرتے ہیں
پھر
فطرت گوہر مقصود ان کی جھولی میں ڈال دیتی ہے۔
وہ لوگ
پھر جم جاتے ہیں، ڈٹ جاتے ہیں
ثبات اور صبر
اقامت اور استقامت
ان کی پہچان بن جاتی ہے۔
اللہ ہمیں خوئے استقامت سے نوازے۔

☆☆☆

لکھنا زیرو بٹہ زیرو ہوگیا

حافظ شیخ محمد قاسم

حفیظ تائب، حافظ لدھیانوی اور ریاض مجید اتفاق مسجد کے حجرے میں شاہ جی کے پاس بیٹھے تھے۔ تائب صاحب علامہ عبدالغفور ہزاروی کے حوالے سے شاہ جی کی یادوں میں گم ہو کر لطف مند ہو رہے تھے۔ تھوڑا وقت گزرا تو جسٹس الیاس بھی شریک محفل ہو گئے۔ مرحوم ثناء اللہ بٹ استاذ شعراء کا نعتیہ کلام اپنے مخصوص لہجے میں سنانے لگے۔ اگر میں بھولتا نہیں تو سپیرا صاحب نے شاہ جی کو چھیڑا آپ کو رندوں کی بولی سمجھ آتی ہے، شاہ جی فرمانے لگے "جب بول ختم ہو جائیں تو باقی رہ جانے والی آواز خوب سمجھ آتی ہے"۔ تائب بولے آپ تو ارادت کی دنیا میں عملی سفر کرنے والے بزرگ ہیں آپ نے چشتیت اور نقشبندیت میں کیا فرق محسوس کیا ہے؟ شاہ جی نے فرمایا کوئی فرق نہیں خلوت میں سارے نقشبندی چشتی ہوتے ہیں اور جلوت میں چشتی سب کے سب نقشبندی ہوتے ہیں۔ ایک بے حال کر کے عشق کی دہلیز تک پہنچانے کے ماہر ہیں اور دوسرے باحال کر کے عشق کے راز کھولنے والے ہیں۔ جو ذرا فاصلے پر بیٹھے ہیں وہ بُعد ہی بُعد کا نظریہ رکھتے ہیں اور جو قریب ہو جائیں صاحب راز بن جاتے ہیں۔

اعلیٰ حضرت گولڑوی رحمتہ اللہ علیہ نے ایک موقع پر فرمایا: "میں سہارنپور کے مدرسہ میں محدث شہیر احمد علی سہارنپوری سے حدیث پڑھا کرتا تھا۔ ہم درس ساتھیوں میں مولانا وصی احمد محدث سورتی میرے کمرے کے برابر الگ حجرے میں اپنے چھوٹے بھائی مولانا عبداللطیف کے ساتھ رہا کرتے تھے۔ میری عادت تھی کہ میں ہر جمعرات اپنے کمرے میں آہستہ آہستہ گھڑا بجا کر گنگنایا کرتا تھا۔ محدث سورتی اپنے حجرے میں تھوڑی دیر تو سنتے رہتے اور اس کے بعد ہاتھ میں ایک لکڑی لئے میرے کمرے میں داخل ہوتے اور لکڑی مار کر میرا گھڑا توڑ دیا کرتے۔ یہ سلسلہ مہینوں جاری رہا۔ نہ میں نے اپنا طریقہ بند کیا اور نہ مولانا نے میرا گھڑا توڑنا چھوڑا۔ حیرت والی بات یہ ہے کہ مولانا اور میرے تعلقات میں کبھی فرق نہیں پڑا"۔ واقعہ سادہ سا ہے لیکن علم دعوت کا اخلاص اور قلبی واردات میں تحمل اور برداشت کی حقیقت پڑھی جا سکتی ہے۔ میرے نزدیک جملے کا مزہ ان الفاظ میں ہے کہ مولانا اور میرے تعلقات میں کوئی فرق نہیں پڑا۔

فریدی صاحب نے شاہ جی کا ہاتھ پکڑا اور طاہر صاحب کے تکیے پر لے گئے۔ میرا خیال ہے وہاں شیخ قطب الدین فریدی بھی تشریف فرما تھے۔ محفل سماع ہوئی طاہر صاحب کے بارے میں معلوم ہوا آپ زبردست طبلچی بھی ہیں۔ واپسی پر شاہ جی گاڑی میں بیٹھے تو ایک ساتھی نے روحانی شرارت کی اور شاہ جی کی خدمت میں عرض کی محدث سورتی تو اعلیٰ حضرت گولڑوی کے گھڑے توڑتے رہے لیکن آپ نے سارنگی توڑی نہ طبلہ، شاہ جی فرمانے لگے بھیا! میرے دادا جی سلسلہ عالیہ چشتیہ میں بیعت لیتے تھے، ظاہر ہے سماع بھی کرتے لیکن روحانی لطیفہ سنیئے۔ بچپن میں مجھے جب بھی قوالی کی محفل میں لے جایا جاتا گہری نیند مجھے آغوش میں لے لیتی۔ آج یہاں بھی کچھ ایسا ہی ہوا ہے ایسے لگا جیسے نیند مجھ پر برس رہی ہو، اتنا یاد ہے کسی دوست نے کہا "حسن" برس رہا ہے میں نے کہا نیند برس رہی ہے۔ شریعت ہر خیال پر غالب ہے لیکن کسی کے گھڑے توڑے جا سکتے ہیں لیکن دل نہیں توڑے جا سکتے۔ حکمتوں کا سفر حکمتوں کی روشنی ہی میں ہونا چاہئے۔ راستے میں نعیم اللہ ہارونی کا فون آیا کہ میرا تین سال کا بچہ بیمار ہے شاہ جی دم فرماتے جائیے۔ پنڈی بھٹیاں کے اس واقعہ کا راز ابھی تک معلوم نہ ہو سکا تین سالہ بچہ جب شاہ جی کے سامنے لایا گیا۔ اس کی آنکھیں سرخ ہو گئیں۔ گلے سے عجیب سی آواز نکلنے لگی جیسے کوئی جھنجھنا بجائے فضا میں قہقہہ تحلیل ہو گیا، پھر قہقہہ در قہقہوں میں بدل گیا۔ بچہ اٹھ کر رقص کرنے لگ گیا۔ شاہ جی انتہائی سرخ آنکھوں سے اسے دیکھتے رہے۔ پندرہ منٹ کے بعد شاہ جی نے فرمایا "بس کرو بیٹھ جاؤ" اس کے ساتھ ہی بچے کے والد کو کہا ہارونی صاحب اب یہ بیمار نہیں ہوگا۔ جب بڑا ہو جائے تو ہماری امانت ہمارے سپرد کر دینا۔ اب وہ صاحب شاہ جی کی محفل میں آتے ہیں۔ میں نے ایک دن پوچھا اب آپ رقص نہیں کرتے کہنے لگا "شاہ جی حکم ہی نہیں کرتے اور پہلے کی طرح دیکھتے بھی نہیں" ہاں اس کے پڑوسی کہتے ہیں کبھی کبھار اس کے کمرے سے گھڑا بجانے اور گنگنانے کی آواز آتی ہے۔ شاہ جی سے راز پوچھنا چاہا تو آپ نے فرمایا ہاں تو تم نے سماع کے بارے میں پوچھا تھا تو کانوں کی بجائے سماع کی نوبت آنکھوں سے آ جائے تو کوئی حرج نہیں، آنکھوں سے سماع کرنے والے جسے دیکھ لیں وہ عشق الٰہیہ میں رقص بسمل کا منظر پیش کرتے ہیں۔

شاہ جی نے ساتھ میری طرف دیکھا میرا جی چاہنے لگا کپڑے پھاڑ کر بھاگ جاؤں گاڑی ایک طرف کھڑی کر دی، شاہ جی نے کہا آؤ تمہیں ایک قصہ سناؤں۔ میں نے بات سننے کے لئے شاہ جی کی طرف دیکھا۔

آپ پہلے کی طرح خشمگین نہیں تھے اس لئے کرم نگاہی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے میں نے عرض کی، آنکھوں سے سننے کا مطلب مجھے سمجھ نہیں آیا۔ آپ فرمانے لگے گاڑی ایک سائیڈ پر کیوں لگائی میں نے عرض کیا آپ نے مجھے دیکھا ہی کچھ ایسے انداز میں تھا شاہ جی فرمانے لگے "تم نے پہلے مجھے دیکھا پھر میں نے تمہیں دیکھا" دیکھتے دیکھتے میں کیفیت بدل گئی میرے پیارے جب یہ کان ادھارے ہو جائیں اور پردہ دل اور پردہ ذہن سے مجاز کی ہر تصویر ختم ہو جائے، نظر کسی حقیقی محبوب کی زیارت میں کھو جائے پھر گیتوں اور غزلوں کے لفظوں سے عشق

الٰہی کے چشمے پھوٹتے ہیں۔ اگر کیفیت یہ نہ ہو تو طبلے توڑ دینا اور گھڑے توڑ دینا فرض کی مانند ہوتا ہے وگرنہ اچھے لفظ اچھے چہرے کو دیکھنے کی تمنا پیدا کرتے ہیں اور یہاں پہنچ کر دیکھنا پیارے ''معراج'' ہوتی ہے۔

ہاں تو میں عرض کر رہا تھا آؤ تمہیں ایک قصہ سناؤں قصہ نہیں حدیث ہے۔ اگر پڑھنا چاہو تو داتا علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے کشف المحجوب میں سماع کے باب میں نقل کی ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میرے پاس ایک لونڈی تھی وہ اچھی آواز میں خوبصورت کلام گنگنا رہی تھی۔ اتنے میں حضرت عمرؓ نے اندر آنے کی اجازت طلب کی جب لونڈی کو عمر کے آنے کا علم ہوا اور آہٹ سنی تو بھاگ گئی پس حضرت اندر داخل ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ خوب مسکرائے۔ حضرت عمرؓ نے عرض کی:

یارسول اللہ ﷺ آپ کے ہنسنے کا سبب کیا چیز بنی؟

آپ ﷺ نے فرمایا:

ہماری ایک لونڈی سریلی آواز میں کچھ گا رہی تھی تمہاری آہٹ سنی تو بھاگ گئی۔

حضرت عمرؓ عرض کرنے لگے:

''میں یہاں سے ہلوں گا بھی نہیں جب تک وہ نہ سن لوں جو اللہ کے رسول نے سنا ہے''۔

چنانچہ حضور انور ﷺ نے اسے دوبارہ بلایا اور اس نے وہی کلام خوبصورت آواز کے ساتھ گنگنایا حضور ﷺ سنتے رہے۔۔۔۔''

حدیث کو فکر خام کے ساتھ نہیں فکر تام کے ساتھ پڑھنا چاہیے۔

سماع کے باب میں شریعت کے آداب قطعی حیثیت رکھتے ہیں اس باب میں حضرت شبلی کا قول غور سے ملاحظہ کرنا چاہیے:

''سماع کا ظاہر فتنہ ہے اور اس کا باطن عبرت ہے۔ جو اہل اشارہ ہے اور اشارہ کو پہچانتا ہے اس کو عبرت کا سننا حلال ہے، ورنہ بصورت دیگر وہ فتنہ کا طالب ہے اور فتنے مصیبت بھی پیدا کرتے ہیں''۔

حضرت ذوالنون مصری ارشاد فرماتے تھے:

سماع حق کا فیضان ہے جو دلوں کو حق کی طرف ابھارتا ہے جس نے سماع حقیقی معنوں کے ساتھ کیا تو اس نے حق کی طرف راستہ بنا لیا اور جس نے خواہش نفس کے ساتھ سماع کیا بے دین ہو گیا۔

شاہ جی کی خدمت میں عرض کی گئی کہ لالہ جی قدس سرہ العزیز کے بارے میں ہم جاننا چاہیں گے کیا آپ نے کبھی سماع کیا؟ شاہ جی نے وضاحت کی۔ اگر سماع سے مراد آلات موسیقی کے ساتھ کلام کا سماع ہے تو حضرت والاشان نے کبھی بھی سماع نہیں فرمایا بلکہ آلات موسیقی کے بارے میں فرماتے تھے یہ شیطانی آوازیں ہیں، البتہ ''سماع'' قرآن حکیم کی صورت میں، نعت شریف اور صوفیانہ کلام آپ شوق سے استماع فرماتے بلکہ یہ ارشاد فرماتے کہ میری حقیقت ''چشتیا'' کی ہے بلکہ آپ خواجہ نور محمد رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں فرماتے کہ وہ خوبصورت آواز پسند فرماتے تھے۔ مجھے اس وقت یاد نہیں لیکن ایک پہاڑی سہ حرفی لالہ جی صاحب نے پرسوز آواز میں سنائی اور فرمایا میں نے یہ سہ حرفی خواجہ نور محمد رحمۃ اللہ علیہ کی زبان سے اسی طرح مترنم لہجے میں سنی۔ حضرت ناگا صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: ''شریعت کے دائرے میں رہ کر سماع سالکین اور طالبین کو منزل سے قریب کر دیتا ہے''۔

حضرت شبلی فرماتے تھے: ''سماع فقیر لوگوں کی زادِ خرچی ہے البتہ جو منزل پر پہنچ گیا اسے سماع کی حاجت نہیں''۔ شاہ جی نے یہ قول بیان کیا اور فرمانے لگے یہ بزرگوں کی باتیں ہیں محبت میں طلب ہی راہ ہے اور طلب میں منزل محبوب کے نام کے سارے ہی گیت سکون اور راحت عطا کرتے ہیں۔

بات کہاں کی کدھر نکل گئی۔ شاہ جی اب تو دوران سفر چار چار گھنٹے سماع فرماتے ہیں۔ وقاص بھائی سفر میں شاہ جی کے ساتھ رہتے ہی صوفیانہ کلام پڑھنے کے لیے ہیں۔ تمام دوست باوضو سفر کا آغاز کرتے ہیں۔ شاہ جی نے گھر سے وظائف پڑھنا شروع کرنے ہوتے ہیں۔ راولپنڈی کی طرف سے تقریباً چکری تک اور لاہور سے تقریباً شیخوپورہ تک تلاوت فرما لیتے ہیں پھر آپ شہادت کی انگلی سے وقاص بھائی کی طرف اشارہ فرماتے ہیں۔ سماع کا سلسلہ نمازوں کے اوقات میں تھم جاتا ہے، پھر بلھے شاہ، سلطان العارفین، وارث شاہ، میاں صاحب اور دیگر صوفیا کا کلام وقاص بھائی پڑھتے رہتے ہیں۔ حیرت والی بات یہ ہے کہ شاہ جی سننے کے دوران دھیمی آواز میں خراٹے بھی لے لیتے ہیں لیکن اگر کلام پڑھنا اس دوران وقاص بھائی بند کر دیں تو شاہ جی پوچھتے ہیں بھیا! کیوں؟ کیا ہوا؟ تھک گئے ہو۔

اس مرتبہ سفر کی خوش طبعی قارئین کے نام عرض کر کے اجازت چاہوں گا:

حافظ محمد زبیر اعوان نے شاہ جی کے ساتھ ٹھنڈیانی کا ایک سفر نامہ لکھا ہے اس میں کہیں میرے کالم ''یادیں بھی اور باتیں بھی'' کی تعریف فرمادی اور لکھا کہ حافظ شفیق کی سبق کہانی بھائی قاسم لکھیں گے۔ اس مرتبہ لالہ جی قدس سرہ العزیز کی مرقد پر حاضری کے لئے ٹھنڈیانی کے دامن میں روزہ افطار کیا تو میرے کالم کی پٹائی ہوگئی۔

شاہ جی فرمانے لگے:

ابن جلجل نے تاریخ الاطباء میں لکھا ہے کہ رازی نے رے کے گورنر کے لئے علم کیمیا میں ایک کتاب لکھی اور دربار میں آ کر اسے پیش کی۔ منصور بن اسحاق نے خوش ہو کر رازی کو ایک ہزار دینار دیئے لیکن ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ تم نے اس میں جو کچھ لکھا ہے اسے عملی طور پر کر کے بھی دکھاؤ۔ رازی نے کہا اس کے لئے تو نایاب جڑی بوٹیوں اور آلات اور وقت درکار ہے۔ منصور نے کہا یہ سب کچھ میرے ذمہ ہے آپ عملی طور پر دعوؤں کو نبھائیں۔ رازی نے کوشش کی لیکن اپنے خیالات کو عملی صورت نہ دے سکے۔ منصور نے کہا رازی اس طرح تو تم اپنی کتابوں کو جھوٹ سے بھر دو گے اور ساتھ ہی رازی کے سر پر کوڑے مارنے کی سزا تجویز کی اور ساتھ ہی یہ سزا بھی دی کہ لکھنے والے کے سر پر کتاب کی ضربیں لگائی جائیں جب تک کہ کتاب ٹکڑے ٹکڑے نہ ہو جائے۔

شاہ جی کہنے لگے قاسم! ایک تو یاد رکھنا کہ جس رازی کا قصہ میں نے سنایا وہ مفسر رازی نہیں فلسفی رازی ہے۔ دوسرا یہ کہ ''یادیں بھی اور باتیں بھی'' قلم بند کرتے ہوئے یہ ذہن میں رکھنا کہ قیامت کے دن اگر کسی جگہ جھوٹ لکھا تو بطور سزا کاغذوں کے طومار ہی سر پر مار دیئے گئے تو وہ بھی بڑے بھاری ہوں گے۔

میری نصیحت ہے:

''لکھو کم عمل زیادہ کرو''۔

شاہ جی نے میری ہر تحریر کو زیرو بٹہ زیرو کر دیا۔

اب تو ہر بات پر سوچنا پڑتا ہے۔

لکھوں یا عمل کروں۔

اف لکھنا کتنا مشکل کام ہے لیکن عمل کرنا اس سے بھی مشکل۔

☆☆☆

مدینے کے خطے خدا تجھ کو رکھے

صاحبزادہ حسنات احمد مرتضے

روئے زمین پر بہت سے شہر، بستیاں اور ریاستیں آباد ہیں لیکن ان شہروں میں ایک ایسا شہر بھی ہے جو شہروں کا سردار ہے۔ جس کا ذکر ہوتے ہی جذبے مچل جاتے ہیں۔ شہر ہی کے ذکر کے ساتھ ہی اذہان وقلوب میں تازہ وارفتگی پیدا ہو جاتی ہے۔ عقیدت ومحبت کا اظہار ہی اس کی پہچان ہے۔ وہ تقدس ورحمت والا شہر مدینۃ الرسول کہلاتا ہے۔

کتاب رحمت قرآن حکیم نے چار مقامات پر اس رحمتوں والے شہر کے نام کا تذکرہ فرمایا ہے۔ دو بار سورہ توبہ کی آیت 101 اور 120 میں، تیسری بار سورہ احزاب کی آیت 60 میں اور چوتھی بار سورہ منافقون کی آیت 8 میں ذکر کیا ہے۔ خالق کائنات نے اس شہر کا نام طابہ فرمایا ہے۔ ان الله سمی المدینه طابه (مسلم) بے شک اللہ تعالیٰ نے مدینہ کو طابہ سے موسوم فرمایا ہے۔

جان کائنات ﷺ کو اس شہر کو مدینہ طیبہ رکھنے کا حکم ہوا ہے۔ ان الله امرنی ان اسمی المدینه طیبه (نسائی) رسول کریم ﷺ نے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھے امر فرمایا کہ میں اس شہر کو مدینہ طیبہ کہوں۔

مدینہ طیبہ کا سابقہ نام یثرب تھا اور یثرب میں بیماری کا معنی پایا جاتا ہے۔ اس شہر میں وبائی امراض کا ڈیرا ہوتا، اس لئے اس کو یثرب کہا جاتا تھا۔ مشکوٰۃ نے بخاری کے حوالے سے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت بیان کی جس میں آپ نے مدینہ کے حوالے سے رویا نبی ﷺ کا ذکر کیا کہ ایک بکھرے ہوئے بالوں والی کالی عورت کو مدینہ سے نکلتے ہوئے دیکھا جو مہیعہ (وسیع زمین، جحفہ) میں اتر گئی۔ اس کی تعبیر یہ کہ وباء مدینہ طیبہ سے نکل کر مہیعہ منتقل ہو گئی۔ مدینہ میں حضرت ابوبکر و بلال کو بخار ہوا تو آپ ﷺ نے مدینہ کے صحت بخش ماحول کے لئے دعا فرمائی اللهم حبب الینا المدینه کحبنا مکة او اشد وصححا لنا وبارك لنا فی صاعها ومدها وانقل حماها فاجعلها بالجحفة سمہودی نے لکھا کہ ابن زبالہ فرماتے ہیں کہ ایک دن صبح کے وقت نبی پاک ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا یوں محسوس ہوا کہ وہ ابھی ابھی مکہ سے آیا ہے۔ آپ نے اس سے پوچھا تجھے راستے میں کوئی ملا؟ اس نے کہا کہ حضور کسی کو نہیں دیکھا البتہ بکھرے بالوں والی ایک سیاہ فام عورت کو ضرور دیکھا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ تلك الحمی، ولن تعود بعد الیوم ابدا۔ وہ وبائی بخار تھا جو آج کے بعد کبھی واپس نہیں آئے گا۔ نبی پاک ﷺ نے جب مکہ سے اس شہر منور میں ہجرت فرمائی تو آپ نے اس کا نام تبدیل فرما کر مدینہ طیبہ رکھا۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

من قال یثرب مرة فلیقل المدینه عشرة

"جس نے ایک بار یثرب کہا وہ (کفارہ کے طور پر) دس مرتبہ مدینہ کہے"۔

سارض الله، دار الهجره، سید البلدان، دار الانصار، دار الایمان، دار المصطفی، دار المهاجرین، طابه، طیبه اور کئی اسما کا ذکر ہوا۔

امام سمہودی نے وفاء الوفا میں 94 ناموں کا اور دکتور خاطر نے سو سے بھی زائد اسمائے مدینہ کا ذکر کیا ہے۔ دیگر کتب میں اس سے بھی زیادہ اسما کا ذکر ہوا۔ کثرت اسما کا ہونا بھی اس کی برکتوں، رحمتوں اور خیر کے زیادہ ہونے پر دلالت کرتا ہے۔

حضور ﷺ نے اس شہر کے لئے بہت سی دعائیں فرمائیں۔ مسلم شریف میں باب فضل المدینہ کی پہلی حدیث ملاحظہ ہو۔

ان رسول الله ﷺ قال ان ابراهیم حرم مکة ودعا لاهلها وانی حرمت المدینة کما حرم ابراهیم مکة و انی دعوت فی صاعها و مدها بمثلی ما دعا به ابراهیم لاهل مکة

حضرت عبداللہ بن عاصم فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ حضرت ابراہیم نے مکہ کو حرم قرار دیا اور مکہ کے رہنے والوں کے لئے دعا فرمائی تھی اور میں مدینہ کو حرم قرار دیتا ہوں جیسا کہ حضرت ابراہیم نے مکہ کو حرم قرار دیا تھا اور میں مدینہ کے صاع اور اس کے مد (صاع و مد پیمانوں کے نام) میں اس سے دوگنی برکت کی دعا کرتا ہوں جو حضرت ابراہیم نے مکہ والوں کے لئے کی تھی۔

مدینہ کو آپ نے حرم قرار دیا اور اس کے پیمانے جو اس زمانے میں جاری تھے ان کے لئے برکت کی دعا فرمائی۔ حرم ہونے کی حیثیت سے اس کی حدود میں حرم کے آداب بجا لانا ہی اہل محبت کا شیوہ ہے۔ یہ بھی واضح رہے کہ آقائے کریم نے خود اس شہر کی حدود کا تعین فرمایا ہے۔ مشرق سے مغرب تک کی حدود کو احادیث میں اللابتین کے الفاظ سے بیان فرمایا۔ اس سے مراد سیاہ بکھرے ہوئے پتھروں کے ڈھیر ہیں اور یہ آج بھی مدینہ کے لوگوں میں مشہور ہیں۔ اگرچہ اب مدینہ طیبہ کے رہنے والے اس کے دونوں کناروں کی طرف پھیل رہے ہیں۔ شمالاً وجنوباً حدود مدینہ کے حوالے سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا خطبہ اور روایت مسلم، مشکوٰۃ اور دیگر کتب میں بیان کئے گئے یہ کلمات ملاحظہ ہوں۔

قال النبی ﷺ المدینة حرم ما بین عیر الی ثور

عیر اور ثور کے درمیانی حصے کو آپ نے حرم مدینہ قرار دیا ہے۔ عیر اور ثور کے حوالے سے محدثین اور محققین نے مختلف آرا قائم کی ہیں۔

بعض نے ان کو مکے کے پہاڑ قرار دیا ہے اور حدیث کو یوں سمجھا کہ عیر اور ثور کے درمیان جس طرح مکہ حرم ہے اسی طرح مدینہ کو بھی حرم قرار دیا ہے۔ بعض نے عیر کو مدینہ کا پہاڑ اور ثور کو مکہ کا پہاڑ کہا ہے۔ بعض کے خیال میں عیر وثور پہاڑ نہیں بلکہ اطراف مدینہ کے دو میدانوں کا نام ہے، جنہیں حرتین کہتے ہیں۔ عیر اور ثور پر ڈاکٹر ابو ابراہیم ملا خاطر نے فضائل مدینہ کے حوالے سے اپنی کتاب میں خوبصورت تحقیق کی ہے۔ جستجو رکھنے والوں کو ڈاکٹر ابراہیم کی کتاب کا یہ محل ضرور مطالعہ کرنا چاہئے۔ اس تحقیق کا خلاصہ یہ ہے۔

عیر اور ثور مدینہ کے اطراف میں ہی دو پہاڑوں کا نام ہے۔ علامہ فیروز آبادی نے القاموس میں عالم، حافظ ابو محمد عبدالسلام البصری کی سند سے لکھا ہے کہ احد کے سامنے ایک جھکا ہوا پہاڑ ہے جسے ثور کہا جاتا ہے۔ انہوں نے یہ بھی بتایا کہ میں نے مدینہ طیبہ کی آبادی کو جاننے والوں سے کئی بار سوال کیا تو تمام نے مجھے یہی کہا کہ احد کے قرب میں ایک پہاڑ ہے جسے ثور کہا جاتا ہے۔ المحب الطبری لکھتے ہیں کہ ثور کا ذکر تو صحیح احادیث سے معلوم ہوا ہے اور اکابر علما کا نہ جاننا، عدم شہرت اور عدم توجہ کی وجہ سے ہے۔ الحافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ القطب الحلبی کی شرح میں پڑھا کہ امام ابو محمد عبدالسلام بن مزروع البصری نے بتایا کہ وہ ایک دفعہ عراق کی طرف بطور سفیر گئے جب وہ مدینہ طیبہ لوٹے تو ان کے ساتھ ایک راہنما تھا جو انہیں مختلف مقامات اور پہاڑوں کا تعارف کرا رہا تھا۔ فرماتے ہیں جب ہم احد پر پہنچے تو اس کے قریب ایک چھوٹی سی پہاڑی تھی میں نے اس کے متعلق پوچھا تو اس نے کہا اسے ثور کہا جاتا ہے۔ امام بیہقی نے ابو عبیدہ کا قول نقل کر کے لکھا کہ ابو عبیدہ سے یہ خبر پہنچی کہ کتاب الخلیل میں لکھا ہے کہ مدینہ منورہ میں ایک چھوٹا سا پہاڑ ہے جسے ثور کہا جاتا ہے۔

ابن حجر مکی لکھتے ہیں کہ ثور کو مکہ کے ساتھ مخصوص کرنا منع ہے۔ زمخشری نے بھی مدینہ طیبہ جاننے والوں سے نقل کیا کہ ثور احد کے پیچھے ایک چھوٹے سے پہاڑ کا نام ہے۔ شیخ احمد بن عبدالحمید العباسی اپنی کتاب عمدة الاخبار میں لکھتے ہیں وعیر احد کے پیچھے مشرقی جانب ہے اور ثور احد کے پیچھے وعیرہ سے مغربی جانب شام کی جانب جھکا ہوا ہے۔ مزید فنی بحث کے لئے ڈاکٹر ابراہیم خاطر کی کتاب ملاحظہ ہو۔

حضور ﷺ نے جس طرح حرم کی حدود اور نشانیاں بیان فرمائیں اسی طرح اس کے ارد گرد کا علاقہ طولاً، عرضاً اور اس کی حدود کی کل مسافت بارہ میل فرمائی۔ کبھی پوری بیان فرمائی اور کبھی بریداً فی بریداً (برید چار فرسخ کا ہے اور ہر فرسخ تین میل کا ہوتا ہے) فرمایا اس کا مطلب بھی بارہ میل ہے۔ حضرت جابر ؓ کی روایت کے مطابق مدینہ طیبہ کی ہر جانب تین میل کا فاصلہ قرار دیا۔ حضرت کعب بن مالک ؓ کو حضور ﷺ نے نشان لگانے کے لئے بھیجا تو آپ فرماتے ہیں میں نے ذات الحبش کے اوپر، شریب پر تحیض کے ٹیلے پر اور شیب کی پہاڑی پر نشان لگائے۔

مصائب اور اور تکالیف انسانی زندگی کا حصہ ہیں۔ دکھ اور آلام پر صبر کا شیوہ اپنانا عظمت کی علامت ہے۔ مشکلات پر صبر کرنے والوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی خاص مدد شامل ہوتی ہے۔ عام حالات میں اتنا کرم ہوتا ہے تو اس اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ جو شخص مدینہ طیبہ کے مصائب پر صبر کرتا ہے اس کو کتنی فضیلت حاصل ہوتی ہے، بلکہ رسول کریم ﷺ کی جانب سے مدینہ کے مصائب پر صبر کرنے والے کے لئے آخرت میں بھی بشارت ہے۔ اسی حوالے سے مسلم شریف کی روایت کردہ حدیث ملاحظہ ہو:

عن ابی هريرة ؓ ان رسول الله ﷺ قال لا يصبر علی لاواء المدينة وشدتها احد من امتی الا كنت له شفيعا يوم القيامة او شهيدا

حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میری امت میں سے جو کوئی بھی مدینہ کی تکلیفوں اور سختیوں پر صبر کرے گا تو میں اس کے لئے قیامت کے دن سفارش کروں گا یا اس کے حق میں گواہی دوں گا۔

کسی پر ظلم کرنا، کسی کو تکلیف دینا بہت ہی ناپسندیدہ عمل ہے۔ مظلوم کی دعا فوراً قبول ہو جاتی ہے۔ مظلوم کی آہوں سے بچنے کا صاف مطلب یہ ہے کہ اپنے آپ کو ظلم کرنے سے بچائے۔ اچھا مسلمان وہی ہے جو اپنے ہاتھ، زبان اور عمل سے دوسروں کو نقصان نہ دے۔ کسی کو تنگ کرنا ویسے بھی برا ہے اور مدینہ طیبہ کے رہنے والے کو تنگ کرنا، اس پر ظلم کرنا، اس کو خوفزدہ کرنا، اس کے ساتھ زیادتی کرنا، بہت ہی برا ہے۔ بلکہ ایسا کرنے والا ملعون بھی ہے اور مدینہ کے رہنے والے کے ساتھ برائی کرنے والا رسول کریم ﷺ کو اذیت دیتا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: جو اہل مدینہ کو اذیت دے گا اللہ تعالیٰ اسے اذیت دے گا اور اس پر اللہ تعالیٰ، فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہے۔ اللہ تعالیٰ نہ اس کا فرض قبول کرے گا نہ نفل۔

آپ نے دوسرے موقع پر یہ بھی فرمایا جو اہل مدینہ کو اذیت دے گا اور خوفزدہ کرے گا گویا کہ وہ مجھے اذیت اور خوفزدہ کرے گا۔ اہل مدینہ آپ کے پڑوسی ہیں۔ ہمسائے کو اذیت دینا ویسے ہی بہت ہی برا ہے اور پھر آپ کے پڑوسی یعنی مدینے کے رہنے والے کو تکلیف دینا

عذاب کو دعوت دینا ہے۔ احادیث سے یہ بات سمجھنی چاہئے کہ جو آپ ﷺ کو اذیت دے گا مدینہ طیبہ کے رہنے والوں کے ساتھ زیادتی کی صورت میں اس کا بدلہ اور انتقام رب کریم لے گا اور اللہ تعالیٰ کے انتقام سے ڈرنا چاہئے۔ بخاری و مسلم کی حدیث کا مفہوم یہ بھی ہے کہ جو اہل مدینہ کے ساتھ مکروفریب یا برائی کا ارادہ کرے گا اللہ تعالیٰ اسے اس طرح پگھلائے گا جیسے نمک پانی میں پگھلتا ہے۔

بدبخت اور بد باطن شخص کو مدینہ شریف کی سکونت نصیب نہیں ہوسکتی، اس لئے کہ مدینہ طیبہ بھٹی کی مانند ہے۔ جس طرح بھٹی لوہے کے زنگ اور گندگی کو دور کردیتی ہے ایسے ہی یہ شہر منور خبث باطن اور منافقت رکھنے والوں کو دور کر دیتا ہے۔ شریر اور گندی خصلت کے لوگ اس شہر میں جا ہی نہیں پاتے اگر چلے بھی جائے تو وہ اس کی برکتوں اور رحمتوں کو حاصل کئے بغیر ہی اس شہر سے کوچ کر جاتے ہیں اس لئے کہ بھٹی میل کچیل کو دور کردیتی ہے۔ شہر نبی بھی آلودگیوں اور آلودہ رہنے والوں کو دور کر دیتا ہے۔ پاکیزہ صفت لوگ ہی اس شہر کا مقدر ہیں، جو اس شہر کو ناپسند کر کے کے چھوڑتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے بہتر شخص کو مدینہ طیبہ کے لئے قبول فرما لیتا ہے اور مدینہ کو چھوڑنے والے سے بہتر اور عمدہ شخص ہی اس کی سکونت حاصل کرتا ہے۔ روئے زمین پر مختلف فتنے برپا ہوتے ہیں۔ جوں جوں قیامت قریب ہوگی فتنے بھی بڑھتے جائیں گے۔ قرب قیامت بڑے فتنوں میں ایک بہت ہی بڑا فتنہ دجال کا ہوگا، جو دین کی خفت اور علم کی نایابی کے وقت جنم لے گا۔ چالیس دنوں میں پوری دنیا کی سیاحت کرے گا۔ اس کا ایک دن ایک سال کا، ایک دن ایک مہینے کا، ایک دن ہفتے کا اور باقی تمام دن عام دنوں کی طرح ہوں گے۔ دجال کے اثرات پوری دنیا میں پھیلیں گے لیکن اس وقت بھی مدینہ طیبہ کو یہ خصوصیت حاصل ہوگی کہ دجال مدینہ میں داخل نہ ہونے پائے گا، بلکہ دجال کے اثرات اور رعب بھی مدینہ میں داخل نہ ہوگا۔ مکہ اور بعض روایات کے مطابق دمشق بھی دجال سے محفوظ ہوں گے۔ رب کریم نے مدینہ طیبہ کی حفاظت کے لئے ملائکہ کو مقرر فرمایا ہوا ہے۔ حضرت انس ؓ فرماتے ہیں کہ کسی شخص نے پوچھا یا نبی اللہ ﷺ کیا دجال مدینہ میں داخل ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا وہ ارادہ تو کرے گا لیکن ہر راستے اور دروازے پر ایسے فرشتے پائے گا جو صفیں باندھے دجال سے مدینہ طیبہ کی حفاظت کر رہے ہوں گے۔ اسی طرح طاعون بھی مدینہ طیبہ میں داخل نہ ہونے پائے گا۔

شفاعت مصطفیٰ ہی کامیابی کی علامت ہے۔ ہر مسلمان یقین رکھتا ہے کہ مدنی تاجدار اس کی شفاعت فرمائیں۔

یہ اعزاز و اکرام اور خصوصیت اہل مدینہ ہی کو حاصل ہے کہ ان کی شفاعت سب سے پہلے کی جائے گی۔ عبدالملک بن عباد بن جعفر بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ سب سے پہلی میں اپنی امت میں سے جن کی شفاعت کروں گا وہ اہل مدینہ ہوں گے پھر اہل مکہ پھر اہل طائف ہوں گے۔

حدیث میں اہل مکہ پر بھی اہل مدینہ کی شفاعت کو مقدم کیا گیا۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ سب سے پہلے نبی ﷺ کے ساتھ اہل مدینہ ہی اٹھیں گے۔

موت برحق ہے۔ ہر ذی روح کو موت کا ذائقہ چکھنا ہے۔ ہر انسان اپنے اعمال کے مطابق موت کے لمحات سے دوچار ہوگا۔ اچھے اور اعمال صالحہ کو اختیار کرنے والوں کو مکھن سے بال نکالنے کی طرح موت آئے گی۔ برے اور گندے اعمال کے مرتکب ہونے والوں کی کیفیت بہت تکلیف دہ ہوگی۔ زندہ جانور کی کھال اتارنے کی مانند ان کو موت کے وقت میں کرب و شدت سے گزرنا ہوگا۔ کسی کو موت ہواؤں کے دوش پر اور کسی کو موت سمندروں میں، کسی کو قحبہ اور جوا خانوں میں، کسی کو بازار میں، کسی کو مسجد میں اور کسی کو نہ جانے کہاں کہاں اس کا سامنا کرنا ہے لیکن خوش قسمت وہ شخص ہے جس کو موت مدینہ طیبہ میں آئے۔ ترمذی اور ابن ماجہ نے حضرت ابن عمر ؓ سے روایت کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو مدینہ میں مرنے کی طاقت و استطاعت رکھتا ہے تو اسے مدینہ میں مرنا چاہیئے جو اس میں مرے گا میں اس کی شفاعت کروں گا۔ اس حدیث سے مدینہ طیبہ میں رہنے کی فضیلت واضح ہوتی ہے۔ خصوصاً زندگی کے آخری ایام مدینہ طیبہ میں گزارنا اور وہیں موت کی خواہش کرنا باعث بخشش و مغفرت ہے۔ وہ لوگ جو صدق دل سے مدینہ میں موت کی آرزو کرتے ہیں۔ ان میں سے بہت لوگوں کو قبول کر لیا جاتا ہے۔ بہت سے ایسے واقعات ہوتے ہیں کہ عشاق حاضری کیلئے جاتے ہیں۔ اور وہیں وقت آتا ہے اور اللہ کو پیارے ہو جاتے ہیں اس طرح مدینہ میں مرنے اور وہیں دفن ہونے کی آرزو پوری ہو جاتی ہے۔

رکن شامی سے مٹی وحشت شام غربت
اب مدینہ کو چلو صبح دل آرا دیکھو

اسلام میں ہجرت کی بہت فضیلت ہے۔ ہجرت کو فضیلت اس لئے عطا کی گئی ہے کہ ہمارے پیارے آقا ﷺ نے ہجرت فرمائی ہے۔ آپ کے لئے رب کریم نے جو شہر منتخب فرمایا وہ مدینہ طیبہ ہے۔ حضرت جریر بن عبداللہ ؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ

نے میری طرف وحی فرمائی کہ ان تینوں شہروں المدینۃ المنورہ، البحرین، قنسرین میں سے ایک کو منتخب فرمائیے دیگر احادیث سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ مدینہ شریف کو ترجیحاً بیان کیا گیا اور خواب میں بھی کھجوروں والی زمین (مدینہ طیبہ) ہی ہجرت کے لئے دکھائی گئی۔ ہجرت کے بعد اللہ تعالیٰ کے حکم اور پسند سے ہمیشہ کے لئے آپ ﷺ نے اسی شہر کو پسند فرمایا جناب ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے حکم ہجرت کے بعد بارگاہ الٰہ میں عرض کیا۔

اللھم انک اخرجتنی من احب البلاد الی فاسکنی احب البلاد الیک

''اے اللہ تو نے مجھے میرے محبوب شہر سے ہجرت کا حکم فرمایا اب اس شہر کو میری جائے سکونت بنا جو تجھے زیادہ محبوب ہو''۔

دعا کے کلمات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ مدینہ طیبہ رب کریم کا بھی محبوب شہر ہے اور اسی وجہ سے آپ کے لئے مدینہ کو منتخب کیا گیا، جان کائنات ﷺ نے ہجرت کے بعد مدینہ طیبہ کو اس قدر پسند فرمایا کہ آپ کی آرزو یہی تھی کہ مدینہ طیبہ ہی میں وصال ہو، یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ مکہ مکرمہ داخل ہوتے یوں دعا فرماتے۔

اللھم لا تجعل منایانا بھا حتی تخرجنا منھا۔

''اے اللہ ہمیں (مکہ) میں موت نہ دینا یہاں تک کہ ہمیں یہاں سے نکال دے''۔

اور اس بات میں بھی شک نہیں کہ کسی نبی کی روح کو اسی مقام پر نکالا جاتا ہے جہاں ان کو دفن ہونا پسند ہو۔ رسول کریم ﷺ کو ہمیشہ کے لئے مدینہ طیبہ ہی پسند تھا اس لئے آپ کا وصال اسی شہر میں ہوا۔ آپ کے بستر کی جگہ ہی آپ ﷺ کی تدفین ہوئی اور یہ حقیقت ہے زمین کا وہ حصہ جس کو رسول کریم ﷺ کے جسد اطہر کو مس کرنے کی سعادت ملی وہ تمام زمین سے افضل ہے بلکہ عرش سے بھی۔ علامہ سمہودی نے رقم کیا۔

ن تلك البقعة افضل من العرش۔ زمین کا یہ ٹکڑا عرش سے بھی افضل ہے۔ اس لئے کہ یہاں نور علیٰ نور کے پیکر آرام فرما ہیں۔

باغ طیبہ میں سہانا پھول پھولا نور کا
مست بو ہیں بلبلیں پڑھتی ہیں کلمہ نور کا

مدینہ طیبہ ایسا خوبصورت، دلکش، جاذب قلب ونظر اور روح پرور شہر ہے کہ دلوں کا میلان خود بخود ہی اس شہر کی جانب ہوتا ہے۔ بذات خود رسول کریم ﷺ جب مدینہ منورہ سے باہر تشریف لیجاتے اور واپسی کے وقت مدینہ کے قریب سواری کو تیز فرما لیتے تاکہ جلد مدینہ میں داخل ہو جائیں۔ اہل محبت کے لئے بھی سواری کو تیز کرنا، دخول مدینہ سے پہلے غسل، عمدہ لباس اور پسندیدہ خوشبو استعمال کرنا مستحب ہے۔ غسل، تبدیلی لباس اور خوشبو کے عمل سے تھکاوٹ وآثار سفر ختم ہوتے ہیں اور تروتازہ ہو کر شہر محبوب میں حاضری ہوتی ہے۔ رسول کریم ﷺ سفر سے شام کو لوٹتے تو مدینہ کے باہر ہی قیام فرماتے اور پھر صبح چاشت کے بعد مدینہ میں داخل ہوتے۔ اہل عقیدت کو مدینہ شریف میں کثرت سے آپ ﷺ کی بارگاہ میں درود وسلام پیش کرنا چاہئے۔ حضرت ابو ہریرہ ﷺ کہتے ہیں رسول کریم ﷺ نے فرمایا'' جو آدمی میری قبر کے پاس مجھ پر درود پڑھتا ہے میں اسے سنتا ہوں اور جو دور سے پڑھتا ہے وہ مجھے پہنچایا جاتا ہے''۔ قرآن وسنت کے مطالعہ سے یہ بات روشن ہو جاتی ہے کہ درود وسلام ایک عمدہ عمل ہے اس سے اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کا نزول اور بارگاہ مصطفوی میں قرب ملتا ہے۔

کعبہ کے بدرالدجیٰ تم پہ کروڑوں درود
طیبہ کے شمس الضحیٰ تم پہ کروڑوں درود

شہر طیبہ کی بہت سی مساجد کو نسبتوں کی سوغات کا شرف نصیب ہوا۔ سرفہرست مسجد نبوی ہے۔ دو یتیموں سے جگہ خرید کر عظیم مسجد کی تعمیر کی گئی۔ یہ ایسی بلند مرتبہ مسجد ہے، جس میں ایک نماز ادا کرنے والے کو دوسری مساجد میں ہزاروں نمازوں سے زیادہ فضیلت ملتی ہے۔ مسجد نبوی کو برسوں مصطفےٰ کریم ﷺ کے قیام، رکوع وسجود اور خطبوں کی سعادت ملی۔ گنبد خضریٰ، ریاض الجنۃ، منبر ومصلیٰ رسول اور اصحاب صفہ کے چبوترے سمیت کئی نسبتوں کا حصول مسجد نبوی کا مقدر ٹھہرا۔

مصطفےٰ کے قدموں کو چوما ہے تو جی بھر کے
جھومتی ہے قسمت پہ ہر گلی مدینہ کی

حضرت انس ﷺ سے روایت ہے نبی پاک ﷺ نے فرمایا جس نے میری اس مسجد میں چالیس نمازیں پڑھیں اس کی کوئی نماز فوت نہ ہوئی اس کے حق میں جہنم سے آزادی، عذاب سے نجات اور نفاق سے برات لکھ دی جائے گی۔ مسجد قباء وہ معروف مسجد ہے جس کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی۔ اس میں دو رکعت پڑھنے والے کو عمرے کا ثواب ملتا ہے۔ مسجد قبا کو ہفتے میں ایک بار مصطفےٰ کریم ﷺ کے پاؤں مبارک چومنے کی

نسبت حاصل ہوتی۔ سلعہ پہاڑ کی مغربی جانب مدینہ کی سات مشہور مساجد بھی ہیں۔ مسجد فتح۔ خندق کے موقع پر نبی پاک ﷺ نے یہاں دعا فرمائی جس کو فوراً قبول ہونے کا اعزاز ملا۔ صحابہ پر مشکل آتی تو آپ ﷺ کی نسبت سے اسی مقام پر جا کر دعا کرتے تو اجابت کی سعادت ملتی۔ مسجد اجابہ۔ اس مسجد میں نبی پاک کا تشریف فرما ہوئے۔ نماز ادا کی اور تین دعائیں فرمائیں۔ پہلی۔ امت کو قحط سے ہلاک ہونے سے بچا۔ دوسری۔ امت کو سیلاب سے ہلاک ہونے سے بچا۔ یہ دونوں قبول ہوئیں۔ تیسری۔ امت میں آپس میں جنگ نہ ہو۔

پہلی دونوں کو قبول فرمالیا اور تیسری دعا کو اللہ تعالیٰ نے روک لیا۔ مسجد قبلتین۔ اس مسجد میں نبی پاک ﷺ جماعت کروا رہے تھے کہ تبدیلی قبلہ کا حکم ہوا۔ نماز میں ہی آپ نے رخ تبدیل فرمایا۔ مسجد الجمعہ۔ ہجرت کے بعد سب سے پہلے یہیں آپ ﷺ نے جمعہ ادا فرمایا اس مسجد کو مسجد عاتکہ بھی کہا جاتا ہے۔ مسجد بنی عبدالاشہل۔ اس مقام میں آپ ﷺ نے بنی عبدالاشہل کو نماز مغرب پڑھائی اور سنتیں گھر میں ادا کرنے کی تلقین فرمائی۔ مسجد الغمامہ (مصلیٰ) یہاں آپ ﷺ نماز استسقاء، عیدین ادا فرماتے۔ کبھی جنازہ بھی۔ مسجد ابی ذر (مسجد سجدہ) یہاں کھجوروں کا باغ تھا۔ نبی پاک ﷺ نے یہاں سجدہ شکر اس موقع پر ادا کیا جب جبریل نے خبر دی کہ آپ کی امت میں سے جس نے ایک بار درود پڑھا اللہ اس پر رحمت فرمائے گا۔ جس نے ایک بار سلام بھیجا اللہ اس پر بھی سلام فرمائے گا۔

اس بات پر سجدہ شکر کرنے کی وجہ سے یہاں مسجد بنائی گئی۔ مسجد البغلہ (بنی ظفر) اس مسجد میں نماز ادا کرنے کے بعد آپ چٹان پر تشریف فرما ہوئے اور گریہ فرمایا۔ مسجد بنی قریظہ۔ محاصرہ کے دوران آپ ﷺ نے یہاں نماز ادا فرمائی۔ نماز کے بعد سعدؓ آئے تو انصار کو ان کی تعظیم کے کھڑے ہونے کا فرمایا۔ مدینہ طیبہ کی اور بہت سی مساجد مشہور ہیں جن میں مسجد الفضیخ (مسجد شمس) مسجد السقیا مسجد ام ابراہیم مسجد بنی زریق اور دیگر شامل ہیں۔

جبل احد مدینہ طیبہ کے اہم مقامات میں شامل ہے۔ یہ وہ برکتوں اور محبتوں والا پہاڑ ہے کہ جس کے بارے جان کائنات ﷺ نے غزوہ سے واپسی پر احد کو دیکھ کر فرمایا۔ ھذا جبل یحبنا و نحبہ۔ ''یہ احد پہاڑ ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں''۔ یہ کلمات غزوہ خیبر یا غزوہ تبوک یا حج سے واپسی پر ارشاد فرمائے۔ اس حوالے سے مختلف روایات موجود ہیں۔ ان روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ متعدد بار آپ ﷺ نے احد سے محبت کا اظہار فرمایا ہے۔ متعدد بار اظہار فرمانے میں یہ بھی ممکن ہے کہ جب بھی آپ احد کے پاس تشریف لاتے ہوں تو احد پہاڑ آپ سے محبت کا اظہار کرتا ہو جواباً آپ بھی اس سے محبت کا اظہار فرماتے۔

حضور ﷺ حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کے ہمراہ جبل احد پر تشریف فرما ہوئے تو وہ فرط محبت سے جھومنے لگا آپ ﷺ نے پاؤں سے ضرب لگائی اور فرمایا: اثبت احد، فما علیک الا نبی او صدیق او شھیدان۔ ''اے احد ٹھہر جا تجھ پر ایک نبی، ایک صدیق اور دو شہید ہیں''۔ جبل حرا اور جبل ثبیر کے بارے میں بھی ایسی روایات موجود ہیں کسی شاعر نے خوب کہا:

و مال حراء تحتہ فرحا بہ فلو لا مقال اسکن تضعضع وانقضا

آپ کے قدموں کے نیچے حرا فرحت و انبساط میں جھومنے لگا۔ اگر اسکن کا کلمہ نہ ہوتا تو وہ عاجزی کرتے کرتے ریزہ ریزہ ہو جاتا

احد جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہوگا اور یہ جنت کا پہاڑ ہے۔ حضرت عمرو بن عوفؓ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ چار پہاڑ جنت کے پہاڑوں میں سے ہیں، ان میں احد ایک پہاڑ ہے جو ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے اور یہ جنت کے پہاڑوں میں سے ایک ہے۔

جبل احد کے فضائل میں سے یہ بھی ہے کہ غزوہ احد اس کے دامن میں ہوا اور شہدائے احد خصوصاً حضرت سیدنا امیر حمزہؓ مدفون ہیں۔ غزوہ احد کے دوران آپ ﷺ احد پر تشریف رہے۔ جس مقام پر آپ ﷺ بیٹھے آج بھی ان پتھروں سے خوشبو آتی ہے۔

جب سے آنکھوں میں سمائی ہے مدینہ کی بہار
نظر آتے ہیں خزاں دیدہ گلستاں ہم کو

جبل سلع بھی مدینہ منورہ کا ایک معروف پہاڑ ہے۔ اس میں ایک غار ہے جس کو بنی حرام کے نام سے منسوب کیا جاتا ہے اس غار کا حجم ایک کمرے کے برابر ہے۔ اس کا راستہ مسجد فتح کی جانب ہے۔ غزوہ خندق کے ایام میں آقائے کریم ﷺ نے کئی راتیں اس غار میں بسر فرمائیں۔ اسی غار میں بشارت ملی کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو امت میں پریشان نہیں کرے گا۔ اسی طرح جبل الرایہ (ذباب) حجاز مقدس کا ایک پہاڑ ہے اس پر رسول پاک ﷺ نے نماز ادا فرمائی۔

دو وادیاں مدینہ پاک کی بہت مشہور ہیں۔ ایک وادی العقیق اور دوسری وادی بطحان۔ وادی عقیق ایک مبارک وادی ہے۔ جس کی

برکتوں کی بشارتیں بھی دی گئیں۔اس وادی میں تہلیل (لاالہ الااللہ) کا حکم ہوا۔وادی بطحان یہ جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہو گا۔اس کی فضیلت میں یہ بھی ہے کہ اس کو جنت کے ایک حوض یا دروازہ پر بنایا ہے۔اس کی مٹی کو شفا بنایا ہے۔مدینہ طیبہ کے معروف کنووں میں بئر اریس (الخاتم)، بئر حاء، بئر بضاعہ، بئر انس بن مالک، بئر رومہ، بئر السقیا، بئر غرس، بئر محمود بن ربیع اور دیگر شامل ہیں مقام زوراء۔یہ وہ حرم شریف سے شمال مغرب میں واقع ہے۔اسی مقام پر حضور ﷺ کی مبارک انگلیوں سے پانی کے چشمے جاری ہوئے۔

غبار، مٹی، پھل ہر شے مدینہ طیبہ کی باعث برکت ورحمت ہے۔حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے رسول کریم ﷺ کی بارگاہ میں کوئی شخص اپنی حاجت رکھتا، زخم، پھوڑا یا کوئی اور مرض۔نبی پاک ﷺ اپنی انگلی اس طرح کرتے اور کہتے باسم اللہ، تربة ارضنا، بریقة بعضنا، لیشفی به سقیمنا باذن ربنا اللہ تعالیٰ کے نام سے، ہماری زمین (مدینہ طیبہ) کی مٹی، ہمارے بعض کے لعاب کے سبب، ہمارے رب کے اذن سے بیماروں کے لئے باعث شفا ہے۔(متفق علیہ) آپ انگلی پر لعاب اور مٹی لگا کر بیمار کے متاثرہ حصے پر لگاتے اور شفا ہو جاتی۔حدیث کے کلمات میں یہ بات واضح ہے کہ مدینہ طیبہ کی مٹی باعث شفا ہے۔مٹی کی طرح غبار مدینہ بھی رحمت و برکت اور شفا کا سبب ہے۔حضرت سعد بن ابی وقاص کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ جب غزوہ تبوک سے واپس لوٹے تو مسلمانوں سے پیچھے رہنے والے لوگ آپ ﷺ سے آملے۔انہوں نے غبار اڑایا تو نبی پاک ﷺ کے ساتھ موجود لوگوں میں سے بعض نے اپنے ناک ڈھانپ لئے مگر آپ ﷺ نے اپنے چہرے سے نقاب اتار دیا اور فرمایا والذی نفسی بیده ، ان فی غبار ها شفاء من کل داء قسم ہے اس ذات کی جس کے دست قدرت میں میری جان ہے۔اس غبار میں ہر بیماری سے شفا ہے۔

شہر نبی کے پھلوں کی برکت یہ ہے کہ جو تناول کرتا ہے وہ آفات و بلیات سے محفوظ ہوتا ہے۔خصوصا عجوہ کھجور نہار منہ سات کی مقدار میں کھانے والا اس دن زہر اور جادو کے اثرات سے محفوظ ہو جاتا ہے۔حدیث کے مفہوم کے مطابق عجوہ کھجور جنت سے ہے اور یہ زہر سے شفا دینے والی ہے۔سات دن سات عجوہ کھجوریں نہار منہ جذام سے بھی نجات دلاتی ہیں۔اسی طرح دل کی بیماری کے لئے بھی یہ مفید ہیں۔حضرت سعد ﷺ فرماتے ہیں میں بیمار تھا رسول کریم ﷺ میری بیمار پرسی کے لئے تشریف لائے۔آپ نے اپنا دست مبارک میرے سینے پر رکھا، میں نے اس کی ٹھنڈک اپنے دل پر محسوس کی، پھر آپ ﷺ نے فرمایا بے شک تو دل کا مریض ہے۔تم ثقیف کے بھائی حارث بن کلاہ کے پاس جاؤ۔وہ طبیب ہے۔اسے چاہئے کہ مدینہ طیبہ کی سات عجوہ کھجوریں لے کر انہیں گٹھلی سمیت کوٹ کر خوب باریک کرلے اور پھر وہ تمہیں پلادے۔(سنن ابی داؤد)

جنت البقیع مدینہ طیبہ کا وہ بابرکت قبرستان ہے۔جہاں آقائے دوجہاں کبھی رات اور کبھی دن کو تشریف لے جاتے اور اہل بقیع کے لئے دعا اور استغفار فرماتے اور ان کلمات کے ساتھ سلام فرماتے۔

السلام علیکم دار قوم مومنین ،واتاکم ماتوعدون ،غدا منوجلون ،وانا ان شاء اللہ بکم لاحقون ،اللهم اغفر لاهل بقیع الغرقد

اہل بقیع وہ ہے کہ بروز محشر رسول پاک ﷺ کے بعد شیخین اور ان کے بعد انہی کو اٹھایا جائے گا۔بقیع میں دفن ہونے والوں کو آقائے کریم کی شفاعت بھی نصیب ہوگی۔اہل بیت اطہار اور بہت سے صحابہ کرام بقیع ہی میں آرام فرما ہیں۔مدینہ طیبہ کی سکونت اور بقیع میں جگہ کا نصیب ہونا خوش بختی ہونے کی علامت ہے۔اللہ اپنے محبوب کے وسیلے سے ہمیں بھی اس سعادت سے نوازے۔

اللهم نجنی من کل ضیق فانت الهنا مولی الجمیع وهب لی فی المدینه مستقر اورزقانم دفنا فی البقیع

اے اللہ مجھے ہر تنگی اور مصیبت سے نجات عطا فرما، تو ہمارا اللہ اور تمام کا مولیٰ ہے۔

مجھے مدینہ میں سکونت اور رزق عطا فرما اور بقیع میں دفن ہونے کی سعادت عطا فرما۔

مدینے کے خطے خدا تجھ کو رکھے
غریبوں فقیروں کے ٹھہرانے والے

☆☆☆

پاکستان اور عالم اسلام کی حالت زار

ایک المیہ، ایک لمحہ فکریہ!

ماسٹر احسان الٰہی قصور

دلیل راہ کے لئے سوچ ہی رہا تھا کہ کچھ لکھوں لیکن غفلت اور سستی کا شکار ہوتا رہا اور یہ بھی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کس عنوان یا موضوع پر لکھوں لیکن مرشد کریم مفسر قرآن، مفکر اسلام حضرت قبلہ شاہ جی نے یہ مشکل بھی آسان فرمادی۔ مختلف ممالک کے غیر ملکی تبلیغی دورہ جات سے واپسی پر 2010-7-17 کو شاہ جی کا جمعہ کا خطاب بڑا روح فرسا اور لرزہ خیز تھا۔ گمان تھا کہ شاہ جی اس جمعہ پر حضرت داتا علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کے تقدس کی پامالی اور بے حرمتی کے سانحہ کے بارے میں اظہار خیال فرمائیں گے۔ لیکن خلاف توقع آپ نے غیر ممالک میں مسلمانوں کی خستہ اور زبوں حالی کی اس طرح منظر کشی فرمائی کہ سامعین کے دل و دماغ پر حزن و ملال کے گہرے اثرات مرتب ہوئے۔ آپ نے نہایت ہی رقت آمیز اور درد بھرے لہجے اور کیفیت میں یہ انہونی اور قیامت خیز خبر سنائی کہ دیارِ غیر میں مسلمان نوجوان لڑکیاں ہندوؤں اور بد مذہب لڑکوں کے ساتھ بھاگ رہی ہیں اور ان سے شادیاں رچا رہی ہیں۔ ان کی مائیں، بہنیں، باپ اور بھائی بے بسی اور رنج والم کی تصویر بنے آہ و فغاں، چیخ و پکار اور ماتم کر رہے ہیں کہ کوئی ان کو بچائے، کوئی ان کی دادرسی کرے اور کوئی ان کا مسیحا بنے لیکن نقار خانے میں طوطی کی آواز کون سنتا ہے۔ محمد بن قاسم کون بنے اور کہاں سے آئے؟ شاہ جی نے حقیقتاً اور واقعتاً خون کے آنسو روتے ہوئے فرمایا کہ جب یہ مسلمان لڑکیاں ہندوؤں اور بد مذہبوں کی حرام نسل جنم دیں گی تو کیا کیا قیامتیں اور حشر بپا نہ ہوں گے اور مستقبل میں ان کے منفی اثرات کیا کیا گل نہ کھلائیں گے؟

یہ ناقابل برداشت اور ناقابل فراموش بھیانک روداد سن کر دل و دماغ پر بہت دنوں تک افسردگی اور پژمردگی کا غبار اور سناٹا چھایا رہا۔ دیارِ غیر میں تو مسلمانوں کی غیرت و حمیت کا جنازہ مختلف شکلوں میں نکل ہی رہا ہے لیکن افسوس اور لمحہ فکریہ یہ ہے کہ ہمارے اپنے ملک پاکستان میں بھی کیا کچھ نہیں ہو رہا۔ دنیا کے تمام اسلامی ممالک کے ناموں کو سامنے رکھا جائے تو سب سے پیارا، خوبصورت اور پاکیزہ نام پاکستان ہی نظر آئے گا یعنی پاک صاف لوگوں کی سرزمین لیکن خدائے بزرگ و برتر کا شکر بجالانے کی بجائے ہم اپنے ملک کی جس قدر توہین، بے عزتی، بے قدری اور بدنامی کر رہے ہیں روئے زمین پر موجود کوئی بھی ایسا ملک نہیں ہے جس کے باشندے اپنے وطن کی اس قدر توہین کرتے ہیں۔ ہمارے اعمال، افعال، کردار، رویے اور سوچیں، اس قدر خوفناک، مکروہ اور گھناؤنی ہو چکی ہیں کہ یہود و ہنود بھی ان کرتوتوں پر شرماتے نظر آتے ہیں۔

وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں ہنود
یہ مسلمان ہیں جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود

پورے پاکستان میں امن و آشتی، چین و سکون نام کا کوئی وجود نہ ہے۔ افراتفری کا عالم ہے۔ شب و روز ہم وطن عزیز کو دیمک کی طرح چاٹنے اور کھوکھلا کرتے ہیں ہمہ وقت اور ہمہ تن مصروف ہیں۔ واپڈا و ٹیلی فون کے محکمہ جات، کچہریوں، تھانوں، پولیس اسٹیشنوں، سرکاری و پرائیویٹ تعلیمی اداروں، سرکاری و پرائیویٹ ہسپتالوں، عدالتی و انتظامی امور تمام محکموں میں ہر طرف کرپشن ہی کرپشن نظر آئے گی، یہاں تک کہ محکمہ انٹی کرپشن بھی کسی سے پیچھے نہیں ہے۔

ان دفاتر میں جس قسم کی بے قاعدگیاں، لوٹ گھسوٹ اور کرپشن ہو رہی ہے۔ اللہ کی پناہ! ان کی مثال دنیا کے کسی خطے میں نہیں ملے گی۔ رشوت اور سفارش ہماری گھٹی میں پڑ چکی ہے۔ اس کے بغیر کوئی کام پایۂ تکمیل تک نہیں پہنچ سکتا۔ سفارش بھی بغیر رشوت بے سود ہے۔ مختلف محکمہ جات کے افسران اور ماتحت عملہ صرف وقت کٹی اور رشوت کے پیسے اکٹھے کرنے کے لئے دفاتر میں حاضری دیتے ہیں۔ افسران تو لایعنی اور فضول قسم کی میٹنگوں اور ٹی اے، ڈی اے کے حصول کے لئے غیر ضروری دوروں میں مصروف ہو جاتے ہیں یا اپنے مخصوص کمروں میں آرام فرما ہوتے ہیں اور ماتحت عملہ سائلوں کی جیبوں کو خالی کرنے کی منصوبہ بندی میں شامل ہو جاتا ہے جس میں افسران کا بھی حصہ ہوتا ہے۔ مختلف سائل دور دراز کے علاقوں سے سفر کی صعوبت برداشت کر کے اپنے مسائل کے حل کے لئے دفتروں میں آتے ہیں۔ اپنا وقت برباد کر کے دفاتر کے ملازمین کے ظلم کی بھینٹ چڑھ کر مایوس اور نامراد و ناکام گھروں کو لوٹ جاتے ہیں۔ صرف رشوت کا پیسہ ہی تمام مسائل کا واحد حل ہے۔ پیسے سے ناجائز اور ادھورے کام بھی مکمل ہو جاتے ہیں جبکہ رشوت کے بغیر جائز اور مکمل دستاویزات بھی بے بنیاد اور من گھڑت اعتراضات کی زد میں آجاتی ہیں، جب کہ کھلی اور واضح حدیث ہے کہ ''رشوت دینے والا اور لینے والا جہنمی ہے''۔ ہم سب مسلمان ہیں اور سب کو اس حدیث شریف کا علم ہے لیکن عمل نہیں کرتے جب کہ غیر مسلم رشوت نہیں دیتے اور لیتے۔

اب صورت حال یہ ہے کہ دھماکوں، خودکش حملوں، ڈرون حملوں کی یلغار نے نظامِ زندگی کو یکسر مفلوج اور ناکارہ بنا کر رکھ دیا ہے۔ اوپر سے مہنگائی، غربت اور لوڈ شیڈنگ کے عذاب نے انسانوں کا کچومر نکال دیا ہے اور جینا دوبھر کر کے رکھ دیا ہے اور لوگ مجبوراً بادل نخواستہ اپنے بچوں تک کو بیچنے پر آمادہ نظر آتے ہیں۔ منگلا اور تربیلا کے بعد سے کوئی ڈیم نہ بن سکا ہے اور منگلا بھی اپنی مدت پوری کرنے کے بعد Up

Raising کے مرحلہ سے گزر کر بونس پر ہے اکیلا تربیلا کیسے پورے پاکستان کے لئے کفیل ہوسکتا ہے۔ بھارت ڈیم پر ڈیم بنائے جارہا ہے اور ہم ایک ڈیم بنانے کی پوزیشن میں بھی نہیں ہیں۔ اگر کالاباغ ڈیم یا بھاشا ڈیم کی بات ہوتی ہے تو ہمارے ہی ارکان اسمبلی پارلیمنٹ میں مرکہ کی ایجیٹیشن کا کام شروع کر دیتے ہیں اور صوبہ پرستی آڑے آجاتی ہے۔ فضول بحث چھڑ جاتی ہے کہ فلاں صوبے کو نقصان کا اندیشہ ہے اور فلاں صوبہ فائدہ اٹھائے گا۔ ایک بار ڈکٹوا کر بھی ہمیں عبرت حاصل نہیں ہوئی اگر ڈیم بن جاتے تو حالیہ سیلاب کی صورت میں جو عذاب ملک بلت پر قہر کی صورت میں نازل ہوا ہے۔ اس میں کافی حد تک کمی واقع ہوسکتی تھی اور اس سیلابی پانی کے ریلوں کو آبی جھیلوں میں سالہا سال تک کے لئے سٹاک کرنے کی منصوبہ بندی ہوسکتی تھی۔ صرف چند عاقبت اندیش، ننگ دیں، ننگ وطن افراد کی نالائقیوں اور ہٹ دھرمیوں کی سزا کروڑوں انسانوں کو دینا کہاں کی دانشمندی ہے۔

اگر ڈیم نہیں بنانے تو ایران اور چین اگر سستے داموں غریب عوام کو بجلی فراہم کرنے پر رضامند ہے تو پھر کون سی مصلحت آڑے آرہی ہے کہ غریب عوام کا کچومر نکالا جائے۔ بڑے لوگ اور سرمایہ کار تو بڑے دھڑلے سے بجلی چوری کر لیتے ہیں اور ان کو کوئی پوچھنے والا نہیں ہوتا، لیکن غریب عوام کہاں کھائے۔ چوری کی ہوئی بجلی کا بیلنس پورا کرنے کے لئے ریٹ بڑھا دیئے جاتے ہیں اور زائد یونٹ ڈال کر خسارہ غریب اور مظلوم عوام سے پورا کیا جاتا ہے۔ ظلم کی بھی ایک حد ہوتی ہے۔ ظلم حد سے بڑھ جائے تو مٹ جاتا ہے۔ بات ہو رہی تھی کہ ہم وطن عزیز کو کمزور سے کمزور تر کر رہے ہیں۔ ہم رشوت خوری، حرام خوری، چور بازاری، دھوکا، منافقت، فریب دہی، جوا شراب نوشی، منشیات، جھوٹ، غیبت، زنا اور نہ جانے کتنی ہی قبیح عادات کی دلدل میں اس قدر دھنس چکے ہیں کہ نکلنا مشکل تو در کنار ناممکن ہے۔ اونٹ رے اونٹ تیری کون سی کل سیدھی کے مصداق کون سی بیماری اور ناسور ہے جس کے ہم شکار نہ ہوں۔ قتل و غارت گری کا یہ عالم ہے کہ ایک انسان دوسرے انسان کو صرف معمولی بات پر گاجر مولی کی طرح کاٹ رہا ہے۔ افسوس صد افسوس مسلمان کیا سے کیا ہوگیا؟ ہم حیوانوں سے بھی بدتر زندگی گزار رہے ہیں۔ آج سے کوئی چالیس پینتالیس سال پہلے زور کی لال اور پیلی آندھی اور طوفان آتا تو ہماری بوڑھی مائیں اور بزرگ کہتے کہ کہیں خون ہوا ہے۔ اب تو آندھی بھی نہیں آتی لیکن سینکڑوں، ہزاروں افراد مختلف واقعات میں قتل کی بھینٹ چڑھ جاتے ہیں۔ ملک میں لاقانونیت کا اندازہ اسی سے لگایا جاسکتا ہے۔

ٹریفک پولیس والے اکثر مختلف جگہوں پر اپنی گاڑیاں کھڑی کر کے غریب اور محنت مزدوری سے اپنے بیوی بچوں اور خاندان کی کفالت کرنے والے، ٹریکٹر، رکشا، ٹرک، مزدا اور بس ڈرائیور کو بلاوجہ روک کر مختلف قسم کے بے بنیاد سوالات کر کے انہیں پریشان کرتے اور سر عام پیسے بٹورتے نظر آتے ہیں۔ ان ٹریفک پولیس والوں سے یہ پوچھنا چاہئے کیا رشوت دے کر وہ غریب لوگ ٹریفک قوانین سے مبرا ہو جاتے ہیں۔ ان کے کاغذات اور دیگر قانونی سقم اسی وقت درست ہو جاتے ہیں لیکن اس کے برعکس امیر لوگوں کی لینڈ کروزر، مرسڈیز، لگژری اور پراڈو قسم کی گاڑیوں کو کوئی نہیں پوچھتا اور روکتا اگرچہ ان میں انسانیت کش مواد ہی کیوں نہ بھرا ہوا ہو؟ پاکستان میں جدھر دیکھو صرف چند ایک سڑکوں کے سوا تمام سڑکیں ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہیں۔ انتہائی ٹوٹی پھوٹی کھڈا مارکہ، بیوندگی بے ڈول سڑکوں پر سفر، بے ہنگم، بے مہار ٹریفک اور طویل اور صبر آزما اشاروں اور رکاوٹوں نے لوگوں کو ذہنی و نفسیاتی مریض بنا کے رکھ دیا ہے۔ ایسی سڑکوں پر مختلف قسم کے حادثات رونما نہیں ہوں گے تو اور کیا ہوگا۔ ہم شیر شاہ سوری جیسی سڑکیں نہیں بنائیں گے کیونکہ ایسی سڑکیں بنانے سے پھر صدیوں تک کوئی سڑک نہیں بنانا پڑے گی اور ملک و قوم کے ارباب اختیار اپنے منظور نظر ٹھیکیداروں کو کیسے نوازیں گے اور اپنا حصہ کیسے وصول کریں گے اور ناقص میٹریل استعمال کر کے ملکی دولت کو کیسے لوٹیں اور سمیٹیں گے۔ شیر شاہ سوری بھی واہ واہ حکمران تھا۔ وہ فوج میں نائب صوبیدار تھا اور اکثر دہلی کے بازار سے گزرا کرتا تھا۔ دہلی کے بازار کی ایک نکڑ پر ایک مجذوب جوتے گانٹھا کرتا تھا۔ ایک دن وہ مجذوب صدا لگا رہا تھا ہے کوئی دہلی کی سلطنت لینے والا۔ لوگ اس مجذوب کی بات سنی ان سنی کر کے اور یہ گمان کر کے کہ اس پھٹے پرانے اور میلے کچیلے لباس والے لوڈنی تو ہوش نہیں یہ کیا کسی کو دے سکتا ہے؟ شیر شاہ سوری واپس مڑا اور مجذوب سے کہا کہ دلی کی سلطنت کتنے میں دو گے۔ مجذوب نے کہا کہ ایک چونی کے عوض شیر شاہ مجذوب کو چونی دے کر چلا گیا۔ زمانے نے دیکھا کہ شیر شاہ شوری نے دہلی پر حکمرانی کی اور حکمرانی کا حق ادا کر دیا۔ بہت سی اصلاحات نافذ کیں۔ سڑکوں کا جال بچھایا۔ جگہ جگہ سرائے تعمیر کروائیں! اور مسجدیں بنائیں۔ کلکتہ سے لے کر پشاور تک جی ٹی روڈ اسی کا کارنامہ ہے۔

بات چل رہی تھی وطن عزیز پاکستان کے حالات حاضرہ کی۔ بارشوں میں نکاسی آب کا مسئلہ بڑی گھمبیر صورت حال اختیار کر لیتا ہے۔ سڑکیں اور گلی کوچے ندی نالوں کا منظر پیش کر رہے ہوتے ہیں اور معمولات زندگی مفلوج ہو کر رہ جاتے ہیں۔ گٹروں پر سے ڈھکنے غائب ہو جاتے ہیں۔ بجلی و ٹیلی فون کا نظام معطل ہو کر رہ جاتا ہے۔ مختلف قسم کے حادثات رونما ہوتے ہیں اور گندگی اور تعفن سے بیماریاں جنم لیتی ہیں۔

اس کے ذمہ دار افراد اور افسران صرف زبانی جمع تفریق اور روایتی قسم کے بیان اور جوابات دے کر بری الذمہ ہو جاتے ہیں۔ حفظ ماتقدم اور احتیاطی تدابیر کے طور پر مستقل اقدامات نہیں کیے جاتے۔ اس کے علاوہ سڑکوں، بازاروں، گلیوں اور محلوں میں سٹریٹس لائٹ کا مناسب انتظام نہیں ہے۔ غیر ضروری جگہوں پر بعض دفعہ دن کی روشنی میں بھی لائٹس جل رہی ہوتی ہیں اور بجلی کا ضیاع ہوتا رہتا ہے جبکہ اہم جگہوں پر رات کو بھی اندھیرا چھایا رہتا ہے جس کی وجہ سے بھی مختلف قسم کے حادثات اور واقعات رونما ہوتے رہتے ہیں۔

ہمارے پاس صاف پانی کی قلت ہے۔ بجلی ہمارے پاس کم ہے۔ نئے ڈیم بنانے کی پوزیشن میں ہم نہیں ہیں نئے اور جدید ہسپتال تعمیر نہیں ہو رہے۔ آبادی کے تناسب سے وسائل کم ہوتے جا رہے ہیں۔ صنعتیں ملکی معیشت میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتی ہیں۔ اس طرف توجہ نہ ہونے کے برابر ہے۔ مہنگائی، بے روزگاری اور غربت کے ناسور نے زندگی اجیرن کر رکھی ہے۔ ہر سال نصاب، تعلیمی پالیسیاں اور نظام امتحان بدلتا رہتا ہے۔ پالیسیوں میں تعطل اور ردوبدل کا رجحان بہت زیادہ ہے۔ ملکی تعمیر و ترقی میں کسی ٹھوس، جامع اور طویل المیعاد منصوبہ بندی کا فقدان ہے۔ ارکانِ پارلیمنٹ جو کہ اکثر جعلی ڈگری ہولڈر ہیں نئے چہروں کے ساتھ دوبارہ پارلیمنٹ میں براجمان ہونا اپنا حق اور وراثت تصور کرتے ہیں لیکن کارکردگی صفر ہے۔ پارلیمنٹ کے اجلاسوں میں یا تو کرپشن کے الزامات پر بحث و تمحیص ہوتی ہے یا پھر حدود آرڈیننس پر مباحثہ شروع ہو جاتا ہے۔ آپس کی جنگ و جدل اور پگڑی اچھالو پروگرام سے فرصت ملے تو غربت، بے روزگاری، مہنگائی، لوڈ شیڈنگ، خودکش حملوں، قیمتوں میں توازن اور اجناس کے مصنوعی بحران پر گفت و شنید شروع ہو۔ پارلیمنٹ کے اجلاس مچھلی منڈی کا منظر پیش کر رہے ہوتے ہیں۔ کوئی مثبت اور ملکی تعمیر و ترقی کا منصوبہ پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچ پاتا۔ ارکانِ اسمبلی قومی خزانے کو خالی کرنے کے سب سے بڑے ذمہ دار ہیں کیونکہ یہ لوگ ذاتی لڑائیاں اور مخول بازیاں کر کے تنخواہیں، فنڈز، بونس، ٹی اے، ڈی اے اور قرضے لے جاتے ہیں۔ دنیا جہاں کی مراعات ان کا مقدر ہیں اور غریب عوام کے لئے ٹھینگا۔ فضول اور بے مقصد قسم کے اللوں تللوں، لنچوں، ظہرانوں، سیکورٹی انتظامات، میڈیکل چیک اپ اور علاج، فوج ظفر موج وزراء حضرات کے مختلف قسم کے اخراجات، رہائش گاہوں اور بنگلوں وغیرہ کی تزئین و آرائش، قیمتی اور لگژری گاڑیوں، غیر ضروری غیر ملکی دورہ جات وغیرہ پر ہر سال حکومت اور عوام کے اربوں، کھربوں روپوں کا ضیاع ہو جاتا ہے جو کہ عوام الناس کے خون پسینے کی کمائی سے حکومت کو ادا کئے جاتے ہیں اور پھر بجٹ کے خسارہ کو پورا کرنے کے لئے ہم کشکول ہاتھ میں پکڑے بھکاریوں کی طرح آئی ایم ایف، ورلڈ بنک جیسے دیگر اداروں، فرانس، امریکہ اور مختلف ممالک سے بھیک مانگتے نظر آتے ہیں لیکن خسارہ بڑھتا ہی چلا جاتا ہے اور پاکستان کے ہر شہری کو اس کی مرضی کے بغیر قرض کی زنجیر میں جکڑ دیا جاتا ہے۔ قومی دولت قوم کی امانت ہوتی ہے جس کو صرف ملکی تعمیر و ترقی کے لئے ہی خرچ کیا جا سکتا ہے۔ خوفِ خدا رکھنے والے اموی خلیفہ حضرت عمر بن عبدالعزیز جنہیں عمر ثانی کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے کے زہد و تقویٰ کا یہ عالم تھا کہ اگر وہ امورِ سلطنت میں مشغول ہوتے اور بیچ میں کوئی نجی کام پڑ جاتا یا کوئی ملنے کے لئے آ جاتا تو سرکاری چراغ بجھا دیتے کہ اس چراغ کا تیل قوم کی امانت ہے اور اپنا ذاتی چراغ روشن کر لیتے۔

مغل بادشاہ اورنگ زیب عالمگیر اپنے ہاتھ سے قرآن مجید لکھتا اور اسے بازار میں فروخت کر کے اپنی روزی کا بندوبست کرتا تھا۔ حضرت عمرؓ جو کہ چوبیس لاکھ مربع میل کے بلا شرکت غیرے فرمانروا تھے اور جن کو حضور ﷺ نے اپنی زندگی میں جنت کی بشارت دے رکھی تھی۔ ان کے زمانے میں شیر اور بکری ایک گھاٹ پانی پیتے تھے۔ آپ کے زہد و تقویٰ کا یہ عالم تھا کہ آپ بیت المال کی بکریاں چرانے شہر سے باہر جنگل میں گئے ہوئے تھے۔ کسی ملک کا سفیر آپ سے ملاقات کے لئے دارالخلافہ میں آیا اور ملنے کی خواہش کا اظہار کیا۔ سفیر کے دل میں حضرت عمرؓ کے رعب و دبدبہ اور جاہ و جلال کا نقشہ کچھ اور ہی ذہن میں بیٹھا ہوا تھا۔ لوگوں سے امیر المومنین کے بارے میں دریافت کیا کہ ان سے کیسے شرف بازیابی ممکن ہو سکتی ہے۔ لوگوں نے بتایا کہ اس وقت تو امیر المومنین بیت المال کی بکریاں چرانے گئے ہوئے ہیں وہیں جنگل میں جا کر مل لیں۔ سفیر ایک شخص کے ہمراہ جنگل میں پہنچا۔ دیکھا تو ایک پھٹے پرانے کپڑوں میں ملبوس ایک شخص ایک درخت کے نیچے آدھی دھوپ اور آدھی چھاؤں میں اینٹ کا تکیہ نیچے رکھے سو رہا ہے۔ ساتھی شخص نے فرمایا یہی ہمارے امیر المومنین ہیں۔ سفیر ورطۂ حیرت میں گم ہو کر رہ گیا۔ حضرت عمرؓ اکثر تنہائی میں تنکے توڑتے اور اکٹھے کرتے رہتے تھے اور یہ کہتے رہتے تھے کہ کاش! میں بھی ان تنکوں میں سے ایک تنکا ہوتا اور مجھ سے حساب کتاب نہ ہوتا۔ آپ ہمیشہ خوفِ خدا سے لرزہ براندام رہتے کہ اگر میرے دورِ حکومت میں کتے کا بچہ بھی بھوکا مر گیا تو عمر کو اس کے لئے جواب دہ ہونا پڑے گا۔ آپ اکثر رات کی تاریکی میں بھیس بدل کر اکیلے رعایا کی خبر گیری کے لیے نکل پڑتے کہ کہیں کوئی کسی تکلیف یا پریشانی میں تو مبتلا نہیں ہے۔ تاریخ سنہری حروف کے ساتھ اس قسم کے ان گنت واقعات سے بھری پڑی ہے۔

پاکستان مالِ مفت دلِ بے رحم کے مصداق "لو آپ اپنے دام میں صیاد آ گیا" کی مانند ہمارے ہاتھ لگ گیا ہے کون سا ہم نے خونِ جگر

ے کر رخِ برگِ گلاب حاصل کیا ہے کہ ہمیں ورثہ ہوا اور ہم اس کی آبیاری کریں اور میں مزید نکھار پیدا کریں اور اس کی نوک پلک درست کریں۔

کیا ظلم ہے کہ منزل کا سکوں ان کو ملا
دامن پہ جن کے گردِ سفر تک نہ تھا

ہمارا تو بس ایک ہی کام ہے کہ عیاشی کریں۔ 23 مارچ، 14 اگست، بسنت اور دیگر قومی تہوار دھوم دھام سے منائیں۔ یومِ آزادی کے دن خوب ہلا گلا کریں۔ موٹر سائیکلوں کے سائلنسر نکال کر شور شرابہ، بدتمیزی اور بے ہودگی کا طوفان کھڑا کریں تاکہ شریف اور نازک طبع لوگ گھروں سے باہر ہی نہ نکلیں۔ ون ویلنگ کرتے ہوئے کتے کی موت مریں اور والدین کے لئے قیامت بپا کریں۔ مسابقت کی فضا نے ٹینشن، ڈپریشن اور فرسٹریشن جیسی موذی بیماریاں پیدا کر دی ہیں۔ رہی سہی کسر فضائی آلودگی نے نکال دی ہے۔ ہر طرف مٹی، گرد، ڈیزل، پٹرول اور گیسوں سے بھرا دھواں انسانی اعضاء کو بیمار اور کمزور کر رہا ہے۔ اس کے کنٹرول اور متبادل منصوبہ بندی کے بارے میں سوچ بچار کی فکر کسی کو نہیں ہے۔ 14 اگست کو خصوصی طور پر ان آلودگیوں میں اضافہ کرنے کی ریہرسل کی جاتی ہے۔ ڈیک پر خوب اونچی میں ڈسکو اور انڈین گانے لگا کر والہانہ انداز میں رقص کئے جاتے ہیں اور قانون کی دھجیاں اڑا کر ہم اپنی جھوٹی انا کو تسکین فراہم کرنے کے مرتکب ہوتے ہیں اور پھر خوش ہوتے ہیں کہ ہم ایک آزاد قوم کے باشندے ہیں، لیکن یہ کیسی آزادی ہے؟ پہلے ہم انگریز کے غلام تھے اور اب انگریز کے ساتھ ساتھ امریکہ کے بھی غلام ہیں۔ کلچر ہم انگریزوں کا اپناتے ہیں۔ داڑھی سٹائل، ڈریس سٹائل، ہیئر سٹائل، ٹوپی سٹائل غرض کہ کھانے پینے، چلنے پھرنے اور گفتگو تک کے انداز انگریزوں کے اپناتے ہیں اور ایڈوانس کلچر کے داعی بننے میں خوشی محسوس کرتے ہیں اور امریکہ سے تو ہم ویسے ہی بہت ڈرتے ہیں کیونکہ وہ دنیا میں سپر پاور اور جدید ٹیکنالوجی کا ہوا کھڑا کئے ہوئے ہے جو کہ حکم عدولی پر ہمیں صفحۂ ہستی سے مٹا دے گا لیکن علامہ اقبال کے اس تصور سے ہمارا ایمان و یقین اٹھ گیا ہے۔

خیرہ نہ کر سکا مجھے جلوۂ دانشِ فرنگ
سرمہ ہے میری آنکھ کا خاکِ مدینہ و نجف

ہم کس قسم کی ایٹمی طاقت ہیں اور کیسی آزادی کے علمبردار ہیں کہ ڈر ڈر اور سہم سہم کر زندگی گزار رہے ہیں "شیر کی ایک دن کی زندگی گیدڑ کی صد سالہ زندگی سے بہتر ہے"۔ اگر ضمیر زندہ اور احساس بیدار ہو تو آج وہ سب کچھ نہ ہوتا جو ہو رہا ہے۔ ہر بم دھماکہ پاکستان سے منسوب نہ ہوتا۔ ہوائی اڈوں پر تذلیل جیسے مناظر نہ دیکھنے پڑتے، بھارت دھمکیاں نہ دیتا۔ امریکہ من مانیاں نہ کرتا، برطانیہ آنکھیں نہ نکالتا، جرمنی بد سلوکیاں نہ کرتا، افغانستان الزام تراشیاں نہ کرتا۔ جاپان غیریت نہ برتتا اور روس منہ نہ پھیرتا۔

آج پاکستان اقوامِ عالم پر تنہا کھڑا ہے یہ کیسی آزادی ہے کہ ہر کوئی ہمارا منہ چڑا دیتا ہے اور ہم تھپڑ مارنے یا اسے مار بھگانے کی بجائے جی حضوری کر دیتے ہیں۔ ہمارے سیاسی لیڈر حتیٰ کہ صدر اور وزیر اعظم امریکہ جائیں تو ان کی بھی جامہ تلاشی ہوتی ہے۔ زندگی کی قدروں، نسانیت کی معراج اور آفاقی اصولوں کو دولت کی چکا چوند کی بھینٹ چڑھا کر آج پاکستان اس مقام پر کھڑا ہے کہ ہمیں ہر طرف سے نا امیدی کا سامنا ہے۔ ہماری انا، غیرت، حمیت، ضمیر، احساس اور شعور کو بھی مایوسیوں سے جکڑا ہوا ہے۔ ہم اپنے قومی ہیرو اور پاکستان میں ایٹمی طاقت کے موجد و خالق محسن کو موت سے بھی بدتر حالات میں جینے کی سزا دے رہے ہیں جس نے ہمیں دشمن کی آنکھ میں آنکھ ڈالنے کے قابل بنایا۔ زندہ اور پائندہ قومیں تو اپنے قومی ہیروز کو زر و جواہر میں تولتی ہیں اور انہیں اپنے ملک کی باگ ڈور سپرد کر دیتی ہیں لیکن ہم اپنے قومی ہیرو کو زندہ درگور کیے ہوئے ہیں اور قید تنہائی کی صعوبتوں سے گزار کر لحظہ لحظہ کرب اور اذیت کا نذرانہ پیش کر رہے ہیں۔ کیا زمانے میں پنپنے کے انداز یسے ہوتے ہیں؟ اللہ تعالیٰ ہمارے حال پر رحم فرمائے۔

لیکن ربِ ذوالجلال کا یہ بھی فرمان ہے کہ خدا اس قوم کی حالت نہیں بدلتا جس کو آپ اپنی حالت کے بدلنے کا احساس نہ ہو۔ علامہ اقبال نے اس بات کی عکاسی کرتے ہوئے فرمایا کہ

ہم تو مائل بہ کرم ہیں کوئی سائل ہی نہیں
راہ دکھلائیں کسے؟ رہروِ منزل ہی نہیں
تربیت عام تو ہے، جوہرِ قابل ہی نہیں
جس سے تعمیر ہو آدم کی یہ وہ گِل ہی نہیں
کوئی قابل ہو تو ہم شانِ کئی دیتے ہیں

علماء، خطباء، مشائخ عظام و پیران دین و ملت جو امامت و خطابت کی مسند کے جانشین، وارث اور شاہسوار ہیں اور جو عالم کی موت عالم کی موت ہے جیسے عظیم مقام و مرتبہ پر فائز ہیں اور جن کے ذمہ ضرورت پڑنے پر ملک و قوم کی ڈگمگاتی کشتی کو سہارا دے کر کنارے لگانا ہے۔ ان میں سے اکثریت مسلکی بھول بھلیوں میں گم ہو کر اپنے اسلاف اور بزرگوں کا مشن چھوڑ کر جائیدادوں، بنگلوں کاڑیوں اور مال و دولت کے حصول اور شاہی ایوانوں کے گرد منڈلانے میں مصروف کار نظر آتی ہے اور انہوں نے جابر سلطان کے سامنے کلمہ حق کہنے کا درس حسینیت بھلا دیا ہے جو کہ ان کے آباؤ اجداد اور بڑوں کا ورثہ تھا۔

اولیاء اللہ اور بزرگان دین کے مزارات پر عقیدتوں کا معیار یہ ہے کہ نوجوان لڑکے اور لڑکیاں مکمل میک اپ کے ساتھ نت نئے فیشن ایبل اور نیم عریاں ملبوسات زیب تن کر کے صاحب مزار کے حضور عقیدتوں کے پھول نچھاور کرنے اور دلی مرادیں پانے کے لئے پہنچتی ہیں تو وہاں عجیب تماشا شروع ہو جاتا ہے۔ یہ نوجوان لڑکے اور لڑکیاں مزارات پر جا کر عشق بازی کا کھیل شروع کر دیتے ہیں اور سالانہ عرسوں کے موقعوں پر جو پاکھنڈ بازی ہوتی ہے اور دین و مذہب کی جو دھجیاں اڑائی جاتی ہیں خدا کی پناہ! میلوں ٹھیلوں کا خوب اہتمام کیا جاتا ہے جو کہ خالص ہندوؤں کی فرسودہ رسومات ہیں۔ سرکس، موت کے کنوئیں، تھیٹر وغیرہ فحاشی کے اڈے بن جاتے ہیں وہاں خوب ناچ گانا رقص و سرود اور نائو نوش کی محفلیں اپنا رنگ جماتی ہیں۔ جعلی پیر اور ملنگ اپنے اپنے ڈیرے جمائے اپنے چیلوں کے ساتھ بھنگ، چرس، افیون وغیرہ کے سوٹوں میں مست ''چیتاں رب نال گلاں کیتیاں'' قسم کے بے تکے نعرے اور راگ الاپ رہے ہوتے ہیں۔ ادھر فرض نماز کا وقت ہوتا ہے اور جاہل عقیدت مند نماز سے غافل اور بے نیاز چادریں لے جانے، ڈھول ڈھمکوں کے ساتھ دھمالیں ڈالنے اور مختلف قسم کے غیر شرعی کھیل تماشوں میں مستغرق اپنے وقت کا ضیاع کر رہے ہوتے ہیں۔

اولیاء اللہ اور بزرگان دین کے اعراس اور ان کی برسی ضرور منانی چاہئے لیکن مشروع طریقہ سے، صاحب مزار کے حضور باوضو با ادب حاضری دیں۔ ایصال ثواب کی غرض سے فاتحہ خوانی کریں۔ ان کی تعلیمات پر عمل کریں، اپنے گناہوں پر نادم ہو کر ان مقرب ہستیوں کی وساطت سے اپنے آقا و مولی کے حضور گناہوں پر پشیمانی کا اظہار کر کے تائب ہوں اور مغفرت طلب کریں اور ملک کے لئے آفات و بلیات سے نجات حاصل کرنے کی آرزو کریں۔ محکمہ اوقاف اور ارباب اختیار کا فرض ہے کہ وہ مزارات پر غیر شرعی حرکات پر مکمل پابندی لگائے۔ خواتین بالخصوص نوجوان لڑکیوں کا ان مزارات پر داخلہ ممنوع قرار دیا جائے یا ان کے علیحدہ انتظام کیا جائے، تا کہ عوام الناس صحیح طور پر روحانی فیوض و برکات سے مستفید ہوں اور اولیاء اللہ کے مزارات کا تقدس بھی پامال نہ ہو۔

کیا ملک پاکستان ہمارے آباؤ اجداد، بے گناہ، معصوم، پھول جیسے نازک بچوں نے اپنے خون سے رونگٹے کھڑے دینے واقعات رقم کر کے اور ہماری ماؤں، بہنوں، بہو، بیٹیوں اور بوڑھوں نے وحشیانہ قتل، عصمت دری اور درندگی کی کسوٹی پر آزادی کا چراغ اس لیے روشن کیا تھا کہ ہم اس میں آزادی کی بجائے انگریز کی غلامی سے بھی بدتر حالات میں زندگی گزاریں گے۔ ہر روز، ہر وقت دینی و اخلاقی اقدار پامال ہو رہی ہیں۔ اللہ اور اس کے رسول اللہ ﷺ کے احکامات و تعلیمات کی کھلم کھلا تضحیک ہو رہی ہے۔ کیبل، ڈش، انٹرنیٹ، سی ڈیز، موبائل وغیرہ کے مثبت استعمال کی بجائے منفی، فحش اور شرمناک مناظر ہم اپنی ہی ماؤں، بہنوں، بہو اور بیٹیوں کے ساتھ ایک ہی جگہ پر دیکھ کر شرم و حیا اور دین و مذہب کی دھجیاں اڑا رہے ہیں اور ایڈوانس کلچر، روشن خیالی کے داعی بن کر بڑے فخر کے ساتھ جنسی و نفسانی خواہشات کی تسکین کر کے اپنی غیرت و حمیت کا جنازہ خود ہی نکال رہے ہیں۔

خرد نے کہہ بھی دیا لاالہ تو کیا حاصل
دل و نگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

ایسے حالات اور ماحول میں ہم کیسے سرخرو ہو سکتے ہیں اور عزت و آبرو کی زندگی گزارنے کا تصور کر سکتے ہیں

قلب میں سوز نہیں روح میں احساس نہیں
کچھ بھی پیغام محمد ﷺ کا تمہیں پاس نہیں

ہم تو فقط نام ہی کے مسلمان ہیں۔ اس بارے میں علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب فرمایا ہے:

رہ گئی رسم اذاں، روح بلالی نہ رہی
فلسفہ رہ گیا تلقین غزالی نہ رہی

مسجدیں مرثیہ خواں ہیں کہ نمازی نہ رہے
یعنی وہ صاحب اوصاف حجازی نہ رہے

ہمارے پاس اللہ کا دیا سب کچھ ہے۔ خدائے بزرگ و برتر نے ہمیں ہر نعمت سے نوازا ہے۔ پہاڑ، سمندر، دریا، جنگلات، سرسبز وشاداب باغات، صحرا، زرخیز زمینیں اور معدنیات وغیرہ عطا کی ہیں۔ چار موسموں سے ہم لطف اندوز ہوتے ہیں۔ کسی چیز کی کمی نہیں ہے، کمی ہے تو خلوص، لگن، محنت، ایمانداری اور نیک نیتی کی ہے۔ وسائل ہیں لیکن ان سے خاطر خواہ فوائد حاصل کرنے کا جنون نہیں ہے۔ جنون اور خبط ہے تو انفرادی اور ذاتی طور پر راتوں رات امیر بننے اور دولت اکٹھی کرنے کی ہوس کا ہے خواہ اس کے لئے کسی کے حقوق ہی کیوں نہ غصب کرنا پڑیں یا ملکی مفاد کو داؤ پر کیوں نہ لگانا پڑے۔ ذاتی اغراض و مقاصد کو ملکی و قومی اغراض و مقاصد پر ترجیح دی جا رہی ہے۔ غریب غریب تر اور امیر امیر تر کی تفریق کا عمل جاری و ساری ہے۔ امیر ہو یا غریب چند نوالوں ہی اس کا مقدر میں جو کہ ہر حال میں اسے ملتے ہیں کیونکہ روزی کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے کیا ہوا ہے۔ اسی روزی کے حصول اور چند نوالوں کی آڑ میں انسان اپنی آخرت داؤ لگانے پر تلا ہوا ہے۔ غریب مزدور آدمی تو چند لقمے جو میسر آ جائیں صبر و شکر کے ساتھ کھا کر تھکا ماندہ رات پھر ٹوٹی پھوٹی چار پائیوں پر نیند کی آغوش میں چلا جاتا ہے جب کہ ایک کروڑ پتی اور ارب پتی شخص پرہیزی کھانا کھانے پر مجبور ہے اور طرح طرح کی بیماریوں میں جکڑا اور سزا یافتہ سکون آور ادویات کا سہارا لیتا ہے اور ہر وقت ذہنی دباؤ اور تناؤ کا شکار رہتا ہے اور اس کا کروڑوں، اربوں کا بنک بیلنس، قیمتی، جدید گاڑیاں، پر آسائش بنگلے اور رہائش گاہیں، نرم و نازک بستر اور نوکر چاکر اسے کوئی فائدہ اور سکون نہیں دے سکتے بلکہ یہ تمام کروفر اس کی موت کے بعد ان وارثوں کے کام آتا ہے جو بھول کر بھی ان کے لئے فاتحہ خوانی تو کیا انہیں یاد تک بھی نہیں کرتے۔ کیا یہ عبرت نہیں ہے کہ وہ خود تو پرہیزی کھانا کھائے لیکن اس کے پالتو کتے اور دیگر جانور خالص اور اعلیٰ گوشت، دودھ اور انواع و اقسام کی اشیائے خورد و نوش سے مزے اڑائیں اور پر آسائش کمروں، ہالوں اور صحنوں میں پرورش پائیں اور بے شمار نوکر چاکر ان کی خدمت اور نگہداشت پر مامور ہوں لیکن اس کے ہمسایوں اور محلہ داروں میں کئی لوگ ایسے ہوں گے جو بھوکے، بیمار، قابل توجہ ہوں گے اور ان کے بچے چھوٹی چھوٹی معمولی چیزوں کے لئے ترس اور بلک رہے ہوں گے اور اس کو ان کا خیال تک بھی نہیں ہے، حالانکہ وہ لوگ ان جیسے غریب اور بے کس لوگوں کی مدد اور دلجوئی کر کے اپنی آخرت سنوار سکتے ہیں۔ کیا یہی انسانیت کی معراج ہے اور اللہ تعالیٰ نے اسی لیے انسان کو اشرف المخلوقات ہونے کا شرف عطا فرمایا تھا۔

دردِ دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو
ورنہ طاعت کے لئے کچھ کم نہ تھے کروبیاں

ہمارا ہمسایہ ملک بھارت بھی بہت غریب ملک ہے اور پاکستان سے پانچ چھ گنا بڑا بھی ہے لیکن جو بے حسی ہمارے ہاں ہے وہاں نہیں ہے۔ وہ وطن پرست ہیں لیکن ہم وطن پرست نہیں ہیں وہ اپنے ملک کی تیار کردہ مصنوعات استعمال کرنا پسند کرتے ہیں حتیٰ کہ گاڑیاں بھی اپنے ہی ملک کی بنی ہوئی چلانا باعث عزت سمجھتے ہیں لیکن ہمیں اپنے ملک کی تیار کردہ کوئی بھی چیز پسند نہیں ہے اور انہیں استعمال کرنا ہم اپنے لئے کسر شان تصور کرتے ہیں اور غیر ملکی مصنوعات اور گاڑیاں استعمال کرنے میں خوشی اور عزت محسوس کرتے ہیں۔

آج صرف پاکستان کے مسلمان ہی نہیں 56 مسلم ممالک ہی تمام دنیا میں ذلت و رسوائی کا علامتی نشان بنے ہوئے ہیں تقریباً ڈیڑھ ارب مسلمان ایک طاقت، ایک وجود اور ایک پہچان ہیں لیکن ہراساں و پریشان، مظلومی کا خود ساختہ ہوا سر پر بٹھائے ایک دوسرے کا تماشا دیکھ رہے ہیں۔ فلسطین، ایران، افغانستان، لبنان، کشمیر اور دیگر اسلامی ممالک کے ظلم کی داستانوں کے لئے انصاف کا حصول کانفرنسیں اور سیمینارز منعقد کرنے، ہڑتالیں کرنے، قراردادیں پاس کرنے، اقوام متحدہ اور سلامتی کونسل کے کٹہرے میں واویلا کرنے سے نہیں ملے گا اور نہ ہی ایسا کرنے سے ان انسانوں، معصوم اور بے گناہ لاشوں میں جان پڑ سکتی ہے جو نا کردہ گناہوں اور ظلم کی بھینٹ چڑھ گئے۔ ضرورت عملی اقدامات کے ساتھ ساتھ اس امر کی ہے کہ تمام اسلامی ممالک متحد ہو کر سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن جائیں اور اپنی کشتیاں جلا دیں اور مرد مومن بن جائیں جس کے بارے میں علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

ہو حلقۂ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزمِ حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن

ایسے ہی مرد مومن کے لئے باطل قوتوں سے نبرد آزما ہونے کے لئے مسلمانوں اور عالم اسلام کے لئے علامہ صاحب کا یہ بھی پیغام ہے:

کافر ہے تو شمشیر پہ کرتا ہے بھروسہ

مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی
کافر ہے تو ہے تابع تقدیر مسلمان
مومن ہے تو وہ آپ ہے تقدیر الٰہی

ماحصل یہ کہ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے ان اشعار کی روشنی میں تمام عالم اسلام متحد ہو کر کل مومن اخوۃ'' کی عملی تفسیر بن جائے تو پھر بڑی سے بڑی طاغوتی طاقتیں جن سے ہم ہر وقت خوفزدہ رہتے ہیں باہم مل کر بھی ہمارا بال بیکا نہیں کر سکیں گی بلکہ گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہو جائیں گی۔

فضائے بدر پیدا کر فرشتے تیری نصرت کو
اتر سکتے ہیں گردوں سے قطار اندر قطار اب بھی

کے مناظر میں دیکھا جائے تو جنگ بدر کے موقع پر تین سو تیرہ مسلمان ایک ہزار جنگی ساز و سامان سے لیس کفار پر کیسے غالب آئے اور ان کے تمام بڑے بڑے سردار واصل جہنم ہوئے اس کے بعد مکہ فتح ہوا۔ طارق بن زیاد نے ۹۲ ہجری میں سات ہزار لشکر جرار کے ساتھ غیرت ایمانی کا مظاہرہ کرتے ہوئے دشمن کی ایک لاکھ سے زائد فوج کے پاؤں اکھاڑ دیے اور اندلس فتح کر لیا۔ اسلام کے ایک اور سپوت محمد بن قاسم نے چھ ہزار فرزندان توحید کی فوج کے ساتھ راجہ داہر کی چالیس ہزار فوج کو ناکوں چنے چبوائے اور اس کی اینٹ سے اینٹ بجا دی اور دارالکفر کو ہمیشہ کے لئے باب الاسلام بنا دیا۔ خواجہ معین الدین چشتی اجمیری نے اپنی روحانی طاقت سے نوے لاکھ ہندوؤں کو مشرف بہ اسلام فرمایا۔ زیادہ دور جانے کی بھی ضرورت نہیں 1965ء میں ہندوستانی فوج نے رات کی تاریکی میں مختلف محاذوں سے اچانک پاکستان پر حملہ کر دیا اور صبح کا ناشتہ لاہور میں کرنا ان کے پروگرام میں شامل تھا۔ جب پاکستان کو اس صورتحال کا علم ہوا تو اس وقت کے صدر نے عوام اور پاک فوج سے خطاب کرتے ہوئے پر جوش اور ایمان افروز انداز میں پاک فوج کو حکم دیا کہ نعرۂ تکبیر بلند کرتے ہوئے دشمن پر ٹوٹ پڑو انہیں نہیں معلوم کہ انہوں نے کس قوم کو للکارا ہے۔ چنانچہ پاک فوج نعرۂ تکبیر، نعرۂ رسالت اور نعرۂ حیدری کی گونج میں ہندوستانی فوج پر ٹوٹ پڑی اور ان کے چھکے چھڑا دیے۔ پاک فوج نے ایمانی طاقت، جذبۂ شہادت اور جذبۂ حب الوطنی کے تحت وہ جوہر دکھائے کہ پاکستان سے کئی گنا ہندوستانی فوج اسلحہ چھوڑ کر دم دبا کر بھاگ جاتی اور پلٹ کر بھی نہ دیکھتی۔ ہزاروں ہندوستانی عوام اور فوجی سپاہی واصل جہنم ہوئے۔ کئی علاقوں پر پاک فوج نے قبضہ کر لیا اور کافی جنگی ساز و سامان بھی ہاتھ آیا۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ ہندوستان کے واویلا کرنے پر ان کے حواری امریکہ اور روس نے بیچ میں پڑ کر ایک معاہدہ کے تحت جنگ بندی کروا دی اور مقبوضہ علاقہ جات واپس کرنا پڑے۔ اس وقت پوری قوم کی دعائیں پاکستانی فوج کے ساتھ تھیں اور بچہ بچہ پاکستان کی فتح، سلامتی اور پاک فوج کی کامیابی کے لئے دعا گو تھا۔ گراں قدر خدمات دینے والے اور شہادت کے منصب پر فائز ہونے والے پاک فوج کے سپوتوں کو اعزازات سے نوازا گیا۔ آج پھر اسی جذبے اور عزم کی ضرورت ہے۔ کشمیر کا مسئلہ مذاکرات، افہام و تفہیم اور اقوام متحدہ کے ذریعہ کبھی حل نہ ہوگا۔ یہ صرف قوت بازو کے زور سے حل ہوگا کیونکہ لاتوں کے بھوت باتوں سے نہیں مانتے۔

درج بالا حقائق و واقعات کا مطالعہ کرتے وقت ہرگز یہ گمان نہیں کر لینا چاہیے کہ خدانخواستہ تمام پاکستانی اور مسلمان گمراہی، لوٹ مار، کرپشن اور بے راہ روی کی صف میں شامل ہیں اور نہ کسی فرد، گروہ، جماعت کا نام لے کر نشانہ بنایا گیا ہے۔ صرف اجتماعی صورتحال کا خاکہ پیش کیا گیا ہے جس میں یہ تمام کردار موجود ہیں۔ پانچوں انگلیاں برابر اور ایک جیسی نہیں ہوتیں دلچسپ بات یہ ہے کہ اتنا کچھ ہونے کے باوجود پاکستان کا وجود قائم اور برقرار ہے اور رہے گا اس کی وجہ وہ نیک، عظیم اور پاکیزہ ہستیاں ہیں جو ہمارے اردگرد موجود ہیں جن کی برکت اور دم قدم سے ہم دنیا کے نقشے پر اپنا وجود قائم کیے ہوئے ہیں لیکن ان کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر ہے۔ اگر معاملہ اس کے برعکس ہو جائے اور منفی کردار لوگ آٹے میں نمک کی حیثیت اختیار کر جائیں تو پاکستان اتنا مستحکم اور ناقابل تسخیر حقیقت بن جائے کہ دنیا کی کوئی بھی طاقت اسے میلی آنکھ سے دیکھنے کی جرأت بھی نہ کر سکے۔

آج اگر ہم اپنی عظمت رفتہ، رعب و دبدبہ، شوکت و سطوت کے خواہاں ہیں جو کبھی ہمارا مقدر تھی تو ہمیں علامہ اقبال اور قائداعظم محمد علی جناح کے افکار، فرمودات، پیغامات اور مشن کو مشعل راہ بنانا ہوگا اور تاریخی کتب اور نادر نسخہ جات جن کو ہم نے صرف لائبریریوں، خوبصورت الماریوں اور شوکیسوں کی زینت بنا رکھا ہے ان کا گہری نظر سے مطالعہ کرنا ہوگا جس میں ہمارے اسلاف عظیم جرنیلوں اور سپوتوں کے حالات زندگی، فتوحات اور ان کے کردار سنہری حروف سے رقم ہیں۔ حضرت علی، خالد بن ولید، طارق بن زیاد، معاذ بن جنبل، شہاب الدین غوری، صلاح الدین ایوبی، محمد بن قاسم، ٹیپو سلطان، حضرت داتا علی ہجویری، خواجہ معین الدین چشتی اجمیری، حضرت مجدد الف ثانی جیسی بے شمار عظیم

اور جلیل القدر ہستیوں نے اسلامی فتوحات اسلام کی تدوین وترویج، اشاعت اور فروغ کے لئے اپنی زندگیاں وقف کر دیں اور دین مبین کی قندیلوں اور شمعوں کو روشن رکھا بہت ضروری ہے کہ ہم ایک ہو جائیں جس طرح کہ جسم کے ایک حصہ کو تکلیف ہو تو پورا بدن بے قرار ہو جاتا ہے۔ اس کی ایک مثال 8 اکتوبر 2005ء کو دیکھی گئی جب اچانک زلزلہ کی وجہ سے مظفر آباد، بالاکوٹ، باوغ و دیگر علاقہ جات ناقابل یقین حد تک تباہی کی زد میں آئے بالاکوٹ سمیت بعض علاقے تو صفحۂ ہستی سے مٹ گئے۔ لاکھوں افراد بے گھر ہو گئے۔ ہزاروں افراد جن میں بوڑھے، نوجوان، بچے، خواتین و مرد، طلباء ملبے تلے دب کر موت کی آغوش میں چلے گئے۔ جو بچ گئے ان کو زندگی کی آرزو نہ رہی۔ لمحہ لمحہ کرب، لمحہ لمحہ الم کی تصویر بنے اپنے پیاروں سے بچھڑنے کے غم میں نڈھال چلتے پھرتے لاشے نظر آتے تھے۔ اس ناقابل فراموش منظر پر پاکستان کا ہر باشندہ اشکبار تھا اور ہر ممکنہ امداد اور دلجوئی کے لئے متاثرہ علاقوں کا رخ کیے ہوئے تھا۔ مختلف اداروں، تنظیموں، دینی جماعتوں، ملکی و غیر ملکی این جی اوز نے متاثرہ لوگوں کو حتی المقدور ریلیف فراہم کیا۔ یہ عمل بلاشبہ قابل ستائش ہے۔

لیکن پھر بھی امداد کی تقسیم کی آڑ میں ملک میں موجود بعض کالی بھیڑوں نے اس موقع پر بھی امدادی سامان اور رقوم میں خورد برد کے گھناؤنے کاروبار میں اپنا منہ کالا کیا اور پانچ سال گزرنے کے بعد بھی اکثر لوگوں کی حالت بعض جگہوں پر روزِ اول کی طرح ہے۔

ماحصل یہ کہ ہم میں سے ہر ایک اپنا جائزہ لے۔ دوسروں پر تنقید کی بجائے خود اپنے گریبان میں جھانک کر اپنی خامیاں، کوتاہیاں اور عیب دور کرنے کے عزم کے ساتھ ملکی سالمیت، اس کی بقا اور تعمیر و ترقی میں ہر فرد بارش کا پہلا قطرہ ثابت ہو۔

قسمت لالہ و گل اب بھی بدل سکتی ہے
نیت اچھی ہو اگر گلشن کے نگہبانوں کی

کلامِ پاک کے مطالعہ سے یہ حقیقت عیاں ہے کہ دنیائے کفر و شرک ایک ملت متحدہ ہے جو حرم پر یلغار اور اپنے ناپاک عزائم کے تانے بانے میں ہمہ وقت مصروفِ کار ہے جس کا اندفاع و حفاظت اتحادِ ملت اسلامیہ میں مستور و مضمر ہے۔ کوئی شک نہیں اسلام اور مراکزِ اسلام حرمین شریفین کی حفاظت خالق کائنات کے ذمہ کرم پر ہے مگر مسلم اقوام پر بھی تو واجب ہے کہ اظہارِ زندگی کے طور پر منظم اور مربوط ہو کر مضبوط اور غالب قوم کی طرح سر اٹھا کر جئیں اور مسلم آبادی کے ڈیڑھ ارب نفوس اپنے تمام تر فروعی اور خود ساختہ مسالک و مذاہب کا تھال طشت از بام کر کے متحد اور ایک دوسرے کے دست بازو بن کر عالم کفر پر چھا جائیں۔ اسلام کسی مذہب یا گروہ کا نام نہیں ہے بلکہ اسلام دینِ حق سے عبارت ہے۔ جس کے پیروکار چار دانگِ عالم میں ایک خدا کی عبادت، ایک رسول اللہ ﷺ کی محبت و اطاعت، ایک قرآن سے والہانہ محبت والفت، ایک حرم پاک اور ایک دین متین کی صداقت پر واثق اور غیر متزلزل ایمان و یقین رکھنے اور بے پناہ عددی قوت کے حامل ہونے کے باوجود مسلمان متحد و منظم کیوں نہیں ہیں۔ مسلم قوم درخشندہ ماضی، تابناک مستقبل اور قدرتی وسائل کی بھرمار کے باوجود دوسری اقوام سے پیچھے کیوں ہے؟ اور ان کی دست نگر اور ان کے در کی سوالی کیوں؟

غور کریں تو معلوم ہو گا کہ ہم نے اور ہماری مسلم اقوام نے قرآن مجید سے راہنمائی حاصل کرنے میں زبردست کوتاہی کی ہے اور رسول اکرم ﷺ کی سیرت و کردار، ان کے اخلاق وحسنہ جن کے کوئی پر پیچ راستے نہ ہیں بلکہ حضور ﷺ نے اپنے اخلاق حسنہ کے موتی اپنے قول و فعل اور کردار سے مکے و مدینے کے گلی کوچوں، بازاروں اور گھروں میں سرِ عام بکھرے ان سے غفلت مجرمانہ برتی ہے جس کا نتیجہ ہم سب کے سامنے عیاں ہے۔ کیا اللہ تعالیٰ سورۃ آل عمران میں ہمیں یہ حکم نہیں دے رہا کہ تم سب اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رکھو اور فرقوں میں نہ بٹو۔ مگر ہم نے اس ارشادِ خداوندی کو در خورِ اعتنا نہ سمجھا اور فرقوں میں بٹ گئے۔

آیئے! صاحب قرآن کے دامان رحمت سے لپٹ جائیں جن کی بارگاہِ رحمت سے ہمیں حکمت و دانش سے لبریز روشن اور جگمگاتے فرامین وارشادات ہماری دستگیری وراہنمائی فرماتے دکھائی دیتے ہیں۔ کہ مسلمان جسدِ واحد کی طرح ہیں اگر جسم کے کسی ایک حصہ کو تکلیف ہو تو پورا بدن بے کل اور بے قرار ہو جاتا ہے۔ آپ حضور ﷺ کے اس ارشاد میں ہمیں ایک دوسرے کے لئے احساس، ایثار و قربانی، اخلاص و مروت، اتحاد و یگانگت بلکہ پوری دنیائے اسلام ایک اکائی میں سوئی ہوئی ان گنت جانیں ایک قالب کی نظر مہیا کر رہی ہیں۔ ارشادِ پیغمبر علیہ السلام ہے "مسلمان ایک دیوار کی مانند ہیں جس کی ایک اینٹ دوسری اینٹ کی مضبوطی کا باعث ہے"۔

المختصر یہ کہ آج بھی مسلم اقوام اپنی نشاۃ ثانیہ کی طرف دل و جان سے رجوع کرے تو کوئی وجہ نہیں کہ ملت اسلامیہ کا کھویا ہوا وقار بحال نہ ہو جائے۔

قوتِ عشق سے ہر پست کو بالا کر دے

دہر میں اسم محمد ﷺ سے اجالا کر دے

علامہ اقبال کے اس پیغام کی روشنی میں ہم جذبہ محبت، تحمل وبردباری، اولوالعزمی، مثالی عمل وکردار، صداقت وراستبازی، عفوودرگزر اور بندہ نوازی کی اعلیٰ اقدار وصفات اپنالیں تو حرماں بے نصیبی، ناکامی ونامرادی ہمارا پیچھا چھوڑ جائیں گی اور ہر طرح کی کامرانیاں ہمارا شدت سے استقبال کرنے لگیں گی اور کفروشرک کی اتحادی دنیا مسلم برادری سے مرعوب ومغلوب ہوکر میدان زندگی سے مایوس ہوکر راہ فرار اختیار کرنے اور گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہوجائے گی۔ اس لئے ہمیں چاہئے کہ اللہ کو عبادت، رسول اللہ ﷺ کو اطاعت اور مخلوق کو خدمت کرکے راضی کر یں کیونکہ جو لوگ اللہ کے کاموں میں لگ جاتے ہیں اللہ ان کے کاموں میں لگ جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھروسہ کرنے والے کبھی نا کام نہیں ہوتے۔ باہمت وہ ہے جو قسمت کی لکیریں مٹادے۔ حقوق العباد پر توجہ دی جائے۔ رزق حلال کی آرزو کی جائے اور ارکان اسلام کی سختی سے پابندی کی جائے۔ اسی میں ہماری بقا، سلامتی، عزت وآبرو اور دنیا وآخرت کی سرخروئی کا راز پنہاں ہے۔

کی محمد ﷺ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

اللہ رب العزت ہم سب کو صراط مستقیم پر چلنے اور آپس میں اتحاد واتفاق سے زندگی گزارنے کا فہم، ادراک اور شعور عطا فرمائے۔ پاکستان سمیت تمام ملت اسلامیہ کو ہر طرح کی آفات وبلیات سے محفوظ رکھے۔

آمین ثم آمین! بجاہ سید المرسلین

☆☆☆

اٹھ کے ظلمت ہوئی پیدا افقِ خاور پر

رپورٹ

عظمتِ داتا گنج بخش ریلی

ڈاکٹر منظور حسین اختر

سانحہ دربار داتا گنج بخش نے ہر دردمند دل کو مغموم اور ہر آنکھ کو پرنم کر دیا ہے۔ داتا کے دیوانے اس روز سے سراپا احتجاج بنے ہوئے ہیں جبکہ حکومت پنجاب کی سردمہری زخموں پر نمک چھڑکنے کے مترادف ہے۔ اس المناک سانحہ کے مجرموں کی عدم گرفتاری اور دہشتگردوں کی پشت پناہی نے حکومت پنجاب کے متعلق ان گنت سوالات پیدا کر دیئے ہیں۔ داتا کا ہر دیوانا اپنے اپنے دائرہ کار میں احتجاج کر رہا ہے۔ جماعت اہل سنت نے اس معاملہ میں بھی قائدانہ کردار ادا کرتے ہوئے عظمت داتا گنج بخش کانفرنسز اور 30۔ جولائی بروز جمعہ 4 بجے سہ پہر ناصر باغ داتا دربار عظمت داتا گنج بخش ریلی کا انعقاد کیا۔ اس ریلی کی تیاریوں کے سلسلہ میں 12 عدد عظمت داتا گنج بخش کانفرنسز کا پروگرام بنایا گیا لیکن یہ سلسلہ بڑھ کر 20 سے زائد کانفرنسز تک جا پہنچا۔ تقریباً ہر کانفرنس میں مفتی محمد اقبال چشتی، پیر سید شمس الدین بخاری، پروفیسر عبدالعزیز نیازی خان، قاری نذیر قادری بذاتِ خود تشریف لے جاتے رہے اور لوگوں کو 30۔ جولائی کو عظمت داتا گنج بخش ریلی، 5۔ اگست کو عظمت داتا گنج بخش کارواں اور 18 اگست کو شہداء کے چہلم کی دعوت دیتے رہے۔ یہ ہمارے قائدین کی محنت اور قربانیوں کا ہی نتیجہ تھا کہ 30۔ جولائی کو لوگوں کا جم غفیر ناصر باغ کے مقام پر اکٹھا تھا۔ متذکرہ بالا قائدین کا اپنی تقریروں کو چھوڑ کر داتا صاحب کے لئے بے لوث پروگراموں میں تشریف لانا ان کے خلوص کی دلیل ہے۔

30۔ جولائی جو 4 بجے ناصر باغ کے باہر سب سے پہلے مفتی محمد اقبال چشتی ایک بہت بڑے جلوس کے ساتھ تشریف لائے اور پھر یکے بعد دیگرے قائدین کی آمد کا سلسلہ جاری ہو گیا حتیٰ کہ دیکھتے ہی دیکھتے دو رویہ سڑک لوگوں سے بھر گئی۔ ناصر باغ کے مین گیٹ کے سامنے قائدین کی تقریروں کا آغاز ہوا۔ قاری نذیر قادری سٹیج سیکرٹری کے فرائض سرانجام دے رہے تھے۔ اب ریلی کا آغاز ہو چکا تھا۔ لوگ قافلوں کی صورت میں ریلی میں شامل ہو رہے تھے۔ مختلف تقاریر کے بعد یہ ریلی آہستہ آہستہ چلتی ہوئی کچہری چوک تک پہنچی۔ یہاں رک کر شرکاء ریلی سے پروفیسر عبدالعزیز نیازی، مولانا محمد علی نقشبندی، پیر سید شمس الدین بخاری، ریلی کے منتظم اعلیٰ مفتی محمد اقبال چشتی اور دیگر علماء و مشائخ نے خطاب کیا۔ مفتی محمد اقبال چشتی نے کہا کہ ملک کی سالمیت سے کھیلنے والے موت کے سوداگروں، کرائے کے قاتلوں اور امریکہ کے ایجنٹوں کے خلاف جہاد فرض ہو چکا ہے۔ انہوں نے کہا کہ قوم دہشت گردوں کی مذمت کرتے ہوئے اگر گر کا سہارا لینے والے سیاست کے فرعونوں کا سوشل بائیکاٹ کرے۔ پیر سید شمس الدین بخاری نے کہا کہ سرگودھا کے حالیہ ضمنی الیکشن میں مسلم لیگ ن کی شکست دراصل سانحہ داتا دربار پر مجرمانہ غفلت کی سزا ہے۔ پروفیسر عبدالعزیز نیازی نے کہا کہ بارود والوں کی شکست اور درود والوں کی فتح نوشتہ دیوار ہے۔ اب "قلم کتاب زندہ باد کلاشنکوف مردہ باد" کی فکر عام کی جائے گی۔ جماعت اہل سنت کے مرکزی سیکرٹری اطلاعات محمد نواز کھرل نے کہا کہ دہشت گردوں سے ڈرنے والی مسلم لیگ ن اپنا انتخابی نشان شیر تبدیل کر لے۔ انہوں نے کہا کہ داتا دربار غریبوں کی پناہ گاہ ہے۔ اسے ویران کرنے کی سازش کرنے والے ظلمات فروش اور ان کے سرپرست برباد ہو جائیں گے۔

شرکاء ریلی نعرہ تکبیر و رسالت، داتا تیرے جانثار بے شمار بے شمار، دہشتگردوں کا جو یار ہے غدار غدار ہے، دہشت گردی بند کرو، جیسے نعرے لگا رہے تھے۔

ریلی کچہری چوک میں تھی کہ جماعت اہل سنت پاکستان کے مرکزی ناظم اعلیٰ مفکر اسلام، مفسر قرآن پیر سید ریاض حسین شاہ ایک بہت بڑے قافلے کے ساتھ ریلی میں تشریف لے آئے۔ آپ کی آمد سے ریلی میں گویا جان سی آ گئی۔ شرکاء ریلی کے جوش و خروش میں یک دم اضافہ ہو گیا۔ شاہ جی نے دعا سے ریلی کا آغاز فرمایا اور اس طرح عظمت داتا گنج بخش ریلی کچہری چوک سے داتا دربار کی جانب روانہ ہوئی۔ دربار شریف پہنچنے پر ریلی سے شاہ جی نے خطاب کرنا تھا اور ہر شخص اس مرکزی خطاب کا منتظر تھا۔ مفتی محمد اقبال چشتی نے جب شاہ جی کے خطاب کا اعلان کیا تو ریلی پر عجیب خاموشی چھا گئی، ہر شخص پرسکوت ہو کر اپنے قائد کا خطاب سننا چاہتا تھا۔

شاہ جی نے ریلی کے منتظمین کو عظیم الشان ریلی کے انعقاد پر اظہار اطمینان کرتے ہوئے کہا کہ صوبہ پختونخواہ میں دہشت گردوں نے علماء و مشائخ کو شہید کیا، مزارات کی بے حرمتی کی گئی اور اب اسلام و پاکستان دشمنوں کا رخ پنجاب کی طرف ہو گیا ہے۔ شاہ جی نے فرمایا کہ دہشتگرد بارود اور بموں کے ذریعے لوگوں کو باور کرانا چاہتے ہیں کہ وہ دین کے خادم ہیں حالانکہ دین کے سچے خادم تو داتا علی ہجویری تھے جو گدڑی پہن کر اور ہاتھ میں تسبیح پکڑ کر برصغیر میں آئے تھے۔ شاہ جی نے وزیراعظم یوسف رضا گیلانی، نواز شریف اور شہباز شریف تینوں لیڈروں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ میں قائد حزبِ اختلاف نہیں ہوں، میں صرف یا رسول اللہ کہنے والوں کا نوکر اور خادم ہوں اور میں کئی مرتبہ اقتدار کی آفر کو رد کر چکا ہوں میں بارہا کہہ چکا ہوں کہ مجھے وزارت نہیں محمد عربی کے قدم چاہئیں۔ آپ نے فرمایا کہ تمہاری خلوتیں میری ان باتوں کی گواہ ہیں۔ شاہ جی نے وفاقی و صوبائی حکومتوں میں شامل اہل سنت علماء و مشائخ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حکومت سے کہا کہ علماء و مشائخ تمہاری

حکومت میں فیکٹریوں اور جائیداد کے لئے نہیں آئے بلکہ محمد عربی کے دین کی خدمت کے لئے حکومتوں میں شامل ہوئے ہیں۔

شاہ جی نے وفاقی و صوبائی دونوں حکومتوں کو مخاطب کرتے ہوئے ایک الافانی اور تاریخ پاکستان میں ہمیشہ یاد رکھے جانے والا جملہ ارشاد فرمایا کہ میں بد دعا نہیں دے رہا لیکن لوح محفوظ سے بصیرت کے ساتھ حقائق پڑھ کر آپ کو سنا رہا ہوں کہ داتا صاحب کے ساتھ جس نے بھی بے وفائی کی اس کا حشر برا ہوا۔ آپ نے اشارۃً فرمایا کہ جب جماعت اہل سنت داتا صاحب کے دربار پر دائیں طرف سے آئی تھی تو "ان" کی حکومت ٹوٹی اور جب بائیں طرف سے آئی تو "ان" کی حکومت ٹوٹی اور آج ہم سامنے سے داتا صاحب کے قدم چومنے آئے ہیں۔ آپ نے حکومتی عہدوں سے اظہار نفرت کرتے ہوئے فرمایا کہ فقیر کل بھی گدڑی میں رہتا تھا اور آج بھی گدڑی میں رہتا ہے، مستقبل بھی گدڑی میں ہوگا۔

شاہ جی نے ایوان اقتدار میں بیٹھنے والوں کے ضمیر کو جھنجوڑتے ہوئے فرمایا کہ کرسی اقتدار پر بیٹھنے والو! اگر آج تم داتا صاحب کے کام نہ آئے تو کل قیامت والے دن داتا صاحب بھی تمہارے کام نہ آئیں گے۔ شاہ جی نے فرمایا کہ ہمارے پاس ووٹ نہیں ہیں لیکن داتا صاحب کی چوکھٹ ضرور ہے۔ حکومتی بنچوں میں دہشتگردوں کے حمایتیوں کی موجودگی کے خلاف بطور احتجاج شاہ جی نے فرمایا کہ حکومت والو! اگر تم اقتدار میں رہنا چاہتے ہو تو وہ وزیر جو گستاخ ہیں اور دہشتگردوں کی پناہ گاہ بنے ہوئے ہیں ان کو اپنی صفوں سے باہر نکالو اور داتا کے دربار پر حاضری دے کر کہو کہ داتا کل بھی تمہارے تھے آج بھی تمہارے ہیں۔ صوبائی وزیر۔۔۔ رانا ثناء اللہ کے متعلق اظہار خیال کرتے ہوئے کہا کہ رانا ثناء اللہ کوئی اتنا بڑا نام نہیں ہے غیرت والا ہے تو خود استعفیٰ دے دے اور میاں صاحب کو بھی امتحان میں نہ ڈالے، اس لئے کہ میاں صاحب رانا ثناء اللہ کی بجائے داتا صاحب کے وفادار ہیں اور اگر میں غلط کہتا ہوں تو میاں صاحب کو تردید کرنی چاہئے تاکہ پتہ چل جائے کہ کون کس کا ہے اور پھر ووٹ کس کو ملتے ہیں۔

اہل سنت کے اتحاد پر بات کرتے ہوئے شاہ جی نے فرمایا کہ ہم اہل سنت متحد ہیں اور سنی اتحاد کونسل کے پلیٹ فارم پر اکٹھے ہیں۔ ان کی قیادت کے لئے پہلا ووٹ دینے والا میں ہوں۔ آپ نے فرمایا قدم بڑھاؤ فضل کریم ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ شاہ جی نے کہا کہ ہمیں قیادت کا کوئی شوق نہیں، ہم حضور کی عزت ناموس کی خاطر اپنی جان ہتھیلیوں پر رکھ کر میدان عمل میں نکلے ہیں اور قربانی کے لئے تیار ہیں۔ 8۔ اگست کو شہداء کے چہلم میں شرکت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ جماعت اہل سنت چہلم میں بھرپور شرکت کرے گی اور حاجی فضل کریم کے ہر حکم پر لبیک کہیں گے۔ آپ نے حاجی فضل کریم سے مخاطب ہو کر کہا کہ آپ اگر ووٹ بائیکاٹ کی مہم بھی چلائیں گے تو ہم گلی گلی، محلے محلے جا کر لوگوں سے کہیں گے کہ اگر غیرت والے ہو تو اس شخص کو ووٹ نہ دینا جو داتا صاحب کے تقدس کو نہیں مانتا۔ شاہ جی نے ایک مجذوب کی بات سناتے ہوئے کہا کہ سید لوگ تاج نوچ کر کسی دوسرے کے سر رکھنا بھی جانتے ہیں۔ وہ بھی ایک سیدزادہ تھا جس نے ایک چونی کے عوض اقتدار شیر شاہ سوری کو دے دیا تھا۔

غیرت و عشق کے جذبوں کو مہمیز عطا کرنے کے بعد شاہ جی نے اپنا خطاب ختم فرمایا اور شاہ جی کی دعا کے بعد یہ عظیم الشان ریلی اختتام پذیر ہوگئی۔

☆☆☆

ہے میرے باغِ سخن کے لئے تو بادِ بہار

رپورٹ: ناعمہ منظور

شب برأت کے موقع پر اتفاق مسجد میں سیدی و مرشدی شاہ جی کے سایے میں منعقد ہونے والی محفل میں حاضری کا شرف حاصل ہوا۔

دل کو اس وقت بہت خوشی ملتی ہے جب چند گھڑیاں شاہ جی کی باتیں سننے کا موقع ملتا ہے جی چاہتا ہے کہ وہ کلام کرتے جائیں اور ہم ان کا فیض حاصل کرتے جائیں اور پھر ایسا وقت بھی آتا ہے جب ہم شاہ جی سے دور ہوتے ہیں لیکن شاہ جی کی محفل کی یادیں ہمیں ان سے دور نہیں کر سکتیں۔ شاہ جی کی یادیں ہمیں پل پل تڑپاتی ہیں کہ ہم ہر وقت ان کو یاد کرتے جائیں۔

ہمارے پیارے شاہ جی کی خوشبو برساتی گفتگو!

سیدی و مرشدی کے ساتھ گزرے ہوئے چند لمحات!

ہر غم کو خوشی میں بدل دیتے ہیں، بے سکونی کو سکون میں بدل دیتے ہیں، رنج و غم کو راحت میں بدل دیتے ہیں، تنہائی کو محفل میں بدل دیتے ہیں، بڑی خوشی ملتی ہے شاہ جی کی یادوں کو اپنے دماغ میں تازہ رکھ کر۔

شاہ جی کی ذات والا صفات وہ ہے جن کی سانسوں میں اللہ، اللہ کی صدائیں ہیں۔ جن کے دل کی دھڑکنوں میں اللہ، اللہ ہے۔ وہ ہر جگہ، ہر وقت اللہ اور اس کے رسول کی محبت کا نور بانٹتے ہیں۔ ان کی زندگی عشق رسول پر قائم ہے۔ خدا کا ذکر، نبی پر درود اور قرآن پاک کی تلاوت ان کی زندگی گزارنے کے اصول ہیں۔ یہ وہ ہستی ہیں جن کے پاس بیٹھو تو کبھی نہ اٹھنے کو جی چاہتا ہے۔ ایسا لگتا ہے جیسے ہر جگہ محبت ہی محبت، سکون ہی سکون، شفقت ہی شفقت ہے۔ ہاں! بالکل ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے ہم مدینہ کی بستی میں چلے گئے ہوں جہاں سکون ملتا ہے۔ دل کو تسلی ملتی ہے۔ غم کے ماروں کو غم سے چھٹکارا ملتا ہے اور ہاں ایسا محسوس کیوں نہ ہو؟ کیونکہ شاہ جی کی ذات وہ ہے جن کی نسبت سرکار دو عالم ﷺ سے ہے اور جو حضور کو چاہے جانے کا درس دیتے ہیں۔ شاہ جی کی باتوں سے کتنے مردہ دل زندگی پاتے ہیں۔ شاہ جی نے نہ جانے کتنے غافل لوگوں کو یہ احساس دلایا کہ لوگو! اٹھو! بیدار ہو جاؤ، دیکھو! سمجھو! ہماری زندگی کا مقصد کیا ہے؟ ہم کس مقصد کے لئے اس دنیا میں آئے ہیں؟ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اشرف المخلوقات کے شرف سے کیوں نوازا ہے؟ ہم سب سے بہترین امت کیوں ہیں؟ اپنے آپ کو پہچانو، اپنے اندر کے انسان کو جگاؤ۔ غرض انہوں نے ہر پہلو سے انسان کی اصلاح کرنے کی کوشش کی ہے۔

اس دن موسم بھی بہت کمال تھا! ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں چل رہی تھیں اور ہلکی ہلکی بوندا باندی بھی ہو رہی تھی۔ ایسے لگ رہا تھا جیسے اللہ تعالیٰ اپنی رحمت اپنے بندوں پر بارش کے ان قطروں کی صورت میں برسا رہا ہو۔

لوگوں کا ہجوم بہت زیادہ تھا۔ مسجد کی چھتیں بھی لوگوں سے بھری پڑی تھیں۔ لوگ جوق در جوق محفل میں شرکت کے لئے آ رہے تھے۔ مردوں کے ساتھ ساتھ عورتوں کی آمد میں بھی کوئی کمی نہ تھی۔ انتظامیہ کی جانب سے سیکورٹی کا خاطر خواہ انتظام تھا۔ مردانہ و زنانہ ہر گیٹ پر چیکنگ کے لئے رضا کار تعینات تھے۔ مسجد کی چھت پر سیکورٹی کے لئے رضا کار چاک و چوبند ہو کر اپنے فرائض سر انجام دے رہے تھے۔ ہر شخص یہ چاہتا تھا کہ وہ شب برأت کی یہ گھڑیاں شاہ جی کے ساتھ گذاریں اور ان سے فیض حاصل کریں۔

آیئے اب! شاہ جی کی باتیں سنتے ہیں! محفل کا آغاز تلاوت کلام پاک سے ہوا۔ اس کے بعد نعت شریف پڑھی گئی۔ نعت شریف کے بعد بغیر کسی اعلان کے شاہ جی سٹیج پر تشریف لائے اور اپنی آواز سے ہمارے دلوں کو سکون پہنچانے لگے۔ شاہ جی نے اپنے خطاب کا آغاز قرآن پاک کی ان آیات سے کیا:

افمن یعلم انما انزل من ربك الحق کمن ھو اعمی انما یتذکر اولو الالباب

پھر شاہ جی یوں گویا ہوئے!

اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء اور اس کی روحانی، مادی نعمتوں پر اس کا شکر ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ کی ذات بابرکات اور آپ کی آل پر درود و سلام اللہ کا شکر ہے کہ اس نے آج کی بابرکت رات ہم سب کو ایمان کے مضبوط کرنے اور طرز عمل کو درست کرنے کے لئے عطا فرمائی۔ سورہ الرعد سے آج کی گفتگو کے لئے چند آیتیں بطور کلام منتخب کیں ہیں۔ تمام احباب سے گذارش ہے کہ وہ قرآن حکیم کا پیغام دل، دماغ اور روح میں اتاریں اللہ سبحانہ نے ارشاد فرمایا:

افمن یعلم انما انزل من ربك الحق کمن ھو اعمٰی انما یتذکر اولو الالباب۔

''کیا ایسا شخص جو جانتا ہے یقیناً وہ جو آپ کے رب کی طرف سے آپ پر نازل ہوا حق ہے اس شخص کے برابر ہو سکتا ہے جو نابینا ہو تحقیق عقل والے ہی سمجھ حاصل کر سکتے ہیں''۔

یہاں ابن عاشور لکھتے ہیں کہ قرآن حکیم کا جو بنیادی موضوع ہے وہ یہ ثابت کرنا ہے کہ جو کلام اللہ کی طرف سے برحق ماننے والے

ہیں اس کا علم رکھنے والے ہیں وہ نہ رکھنے والوں کے برابر نہیں ہو سکتے ۔اللہ تعالیٰ نے ایک طرف علم رکھنے والے اور دوسری طرف اندھے اور نابینا شخص کو بیان فرمایا۔

ایک مفسر کا بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام مسلمانوں کے دل کو ٹٹولتا ہے احساس ذمہ داری، فکری زندگی، ہم دنیا کو کیا سمجھتے ہیں اور دنیا کے بعد کی زندگی کا تصور کیا ہے یہ سب ہمیں اللہ کا کلام سکھاتا ہے ۔اللہ پاک نے فرمایا جو علم رکھتے ہیں وہ اندھوں کے برابر نہیں ہیں اس لیے کہ نابینا شخص اور اندھا شخص کسی چیز کا ادراک نہیں کر سکتا وہ لوگ جو قرآن کی باتوں کو حق سمجھتے ہیں وہ بصیرت کا نور رکھتے ہیں اور جو نہیں سمجھتے وہ بصارت سے محروم ہیں اور ایسے لوگ اندھوں کی زندگی گزارتے ہیں۔

میرے پیارے دوستو!

میرا پہلا پیغام

اپنی زندگی ٹٹولیں

فیصلہ کریں

کہیں ایسا تو نہیں کہ ساری زندگی اندھوں کی طرح گزار دی۔

خطاؤں کا لباس ذلت تو نہیں پہنایا!

گناہوں کا لباس ذلت تو نہیں پہنایا!

بصارت نام کی کوئی چیز ہے بھی کہ نہیں!

قرآن تحریک دیتا ہے!

بیدار کرتا ہے!

ہمیں اپنی طرف بلاتا ہے!

جیسے کسی پلیٹ فارم پر کوئی سو جائے اس کی گاڑی چھوٹ جانے کا خدشہ ہو تو پاس بیٹھا ہوا کوئی بھائی بلائے کہ اٹھ جا تیری گاڑی چلنے والی ہے، بالکل ایسے ہی قرآن بیدار کرتا ہے، اسے زندگی کا احساس دلاتا ہے وہ دیکھو محمد عربی کی سواری جارہی ہے وہ دیکھو! کہیں ایسا نہ ہو ایمان واعتقادات کی دنیا میں تو پیچھے رہ جائے ۔فہم وذکا کے دروازے کھولتا ہے۔

قرآن کو جاننے والا!

قرآن کا علم رکھنے والا!

حضور کو ماننے والا!

وحی کا جاننے والا!

اندھے کی طرح نہیں ہوسکتا!

وہ لوگ جو محمد ﷺ کے آستانے سے دور ہیں!

اندھے ہیں!

اور جو آستانے پر آ گئے وہ سارے بصارت والے ہیں۔

قرآن سے نصیحت تو وہ حاصل کر سکتے ہیں جن کے عمل سلامت ہیں، جو بے وقوف نہیں ہیں۔

میرا پہلا سبق!

یہ شعور پیدا کرو کہ مسلمان ہو۔

زندگی گزارو اس احساس کے ساتھ کہ تم مسلمان ہو۔

تمہیں روشنی اور اندھیرے کا پتا چل جائے گا۔

بس ایسے سمجھو کہ ایک بلب روشن ہے، ایک آدمی اس کے نیچے بیٹھا ہے اور ایک شخص جو اس سے دور بیٹھا ہے کیا روشنی دونوں طرف برابر ہے؟ یہی معاملہ اس شخص کا ہے جو حضور کے آستانے میں بیٹھا ہے اور ایک جو حضور کے آستانے پہ آیا ہی نہیں کیا وہ شخص دوسرے شخص کے برابر ہے؟

آج کی شب یہ فیصلہ کرو کہ حضور آج سے زندگی آپ کی ہوگی۔

حضور قرآن کی روشنی میں زندگی گزاروں گا۔

حضور آپ کا غلام بن کر رہوں گا۔

یہ 45،50 دن خاص ہیں ایک ورکشاپ کی طرح ہیں قرآن مجید نے ہولڈ کیا ہوا ہے ان دنوں کو۔ آج سے ان دنوں کا آغاز ہو رہا ہے۔

مجھے اتنا ہجوم دیکھ کر بہت خوشی ہو رہی ہے۔ خوشی ہو رہی ہے کہ احساس کے تار ہل رہے ہیں تو آپ تشریف لائے ہیں۔ ہم نے تو نہ کوئی اشتہار چھپوائے، نہ کوئی دعوت نامے ہی بانٹے ہیں، یہ اللہ تعالیٰ نے تار ہلائی اور آپ سب لوگوں کو بھیجا ہے تو آئیں اس وقت سے استفادہ کریں اور علم کی تحریک پیدا کریں اگر ان پڑھ ہو تو قرآن مجید سیکھو اور اگر پڑھے لکھے ہو تو قرآن مجید کی تفسیر سیکھو۔

یہ نہ سوچنا کہ میں چالیس دفعہ پڑھ چکا ہوں۔ قرآن جب بھی پڑھیں گے یہ کچھ نہ کچھ دے گا۔ قرآن تو ایسا چشمہ ہے کہ اس سے آنے والے لوگ فیض پاتے جاتے ہیں لیکن یہ کبھی نہ ختم ہونے والا چشمہ ہے قیامت آجائے گی لیکن محمد کا قرآن فیض بانٹتا رہے گا۔

ایک درد اپنے سینے میں پیدا کرو کہ محمد ﷺ کے دین کا چراغ جلتا رہے گا اپنی زندگیوں کے اندر علم کی تحریک پیدا کر دوں۔

ایک مرتبہ میں مدینہ شریف میں سورۃ طارق کی تفسیر لکھ رہا تھا کہ ایک عالم نے پوچھا کیا کر رہے ہو؟ میں نے کہا قرآن پاک کی تفسیر لکھ رہا ہوں۔ اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے، میں نے پوچھا رو کیوں رہے ہو؟ کہنے لگے جیسا گھاس ہوتا ہے کاٹو پھر اگ جاتا ہے کبھی ختم نہیں ہوتا۔ لوگ جوق در جوق آکر اس چشمے سے پانی پی کر قبروں میں اترتے جا رہے ہیں لیکن قرآن پاک کا فیض ابھی تک جاری ہے۔ میں نے کہا ایک بات کہوں اگر بری نہ لگے تو؟ ہم لوگوں کو کافر مٹانا چاہتے ہیں، مسلمان ختم، تہذیب ختم، تمدن ختم، ان کے رخ مدینہ سے موڑ دو، ان کے نفسوں کو بھٹکا دو، مصطفیٰ کریم کی رسی چھین لو! جس وقت کریکٹر خراب ہو جائے گا۔۔۔۔۔۔ یہ لوگ خود ہی ختم ہو جائیں گے، لیکن آج بھی جب میں آیا راستے میں دیکھتا آ رہا ہوں کہ مسجدوں میں نعتوں کی آوازیں آ رہی ہیں، قرآن بیان ہو رہا ہے، دراصل مسلمان محمد عربی کے علم کی روشنی کو بانٹتا رہے گا۔

میں انگلینڈ میں تھا کہ ایک مائی کا فون آیا۔ وہ نوے سال کی ایک بوڑھی عورت تھی۔ کہنے لگیں ریاض حسین آپ کا نام ہے میں نے کہا ہاں میرا ہے۔ کہنے لگی اللہ ہمارے وطن کو سلامت رکھے، کہنے لگی مجھے 45 سال ہو گئے ہیں میں وطن واپس نہیں گئی۔ میں نے کہا میرے ساتھ کیا کام ہے؟ کہنے لگی میں نے سنا ہے آپ نے قرآن مجید کا ترجمہ کیا ہے۔ آپ جتنے پونڈ میں دیتے ہیں مجھے دے دیں، میں نے پڑھنا ہے میں نے پوچھا آپ نے کبھی کوئی اور ترجمہ پڑھا ہے؟ کہنے لگی میں نے کبھی نہیں سوچا کس مولوی نے لکھا ہے میرا تعلق مدینے والے سے ہے جب بھی کوئی نیا ترجمہ آتا ہے میں پڑھ لیتی ہوں، میرا کام تو مدینے والے کو راضی کرنا ہے۔

حضور ﷺ کے ایک صحابی ربیعہ رضی اللہ عنہ سارا دن حضور ﷺ کی خدمت کرتے اور رات ہوتی تو اپنے گال حضور ﷺ کی چوکھٹ پر رکھتے اور انتظار کرتے کہ اگر آپ ﷺ کبھی آواز دیں تو کہیں آنے میں دیر نہ ہو جائے۔ ایک مرتبہ آپ ﷺ نے محسوس کیا کہ آواز آئی ہے۔

بخاری میں ہے کہ صحابہ کرام جب آپ ﷺ کے دروازے پہ آتے آواز نہ دیتے، صرف ناخن رگڑتے تاکہ پتا چل جائے کہ کوئی غلام دروازے پر ہے۔ ربیعہ کی سانسیں جب تیز ہوئیں تو باب کرم کھول دیا حضور ﷺ تشریف لائے پوچھا یہاں کیسے؟ کہا ہر رات ایسے ہی گذار دیتا ہوں۔ دن کو تو نوکری کرتا ہوں رات کو اگر کوئی کام ہو اور ہم غیر حاضر ہو جائیں تو کہیں عذاب نازل نہ ہو جائے۔ میں ساری رات گال چوکھٹ پر رکھ کر بسر کر لیتا ہوں آپ ﷺ نے فرمایا ربیعہ آج میرا حکم ہے جا شادی کر لے۔ حضور ﷺ کو تو پتا تھا شادی کر کے مسجد میں آنا مشکل ہے۔ معاش، معاشرت، روزی، بچوں کی مجبوریاں۔ حضور ﷺ نے فرمایا آؤ علاج کرتے ہیں، آپ ﷺ تو "اتنا في الدنيا حسنة او رفي الآخرة حسنة" بھی دیتے تھے فرمایا! جاؤ شادی کرو۔ آپ رضی اللہ عنہ رونے لگ گئے، حضور ﷺ نے فرمایا شادی کوئی ایسی چیز ہے جس سے سن کر رونا آئے؟ حضرت ربیعہ رضی اللہ عنہ نے کہا دو نقصان ہو جائیں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کیا؟ ایک تو یہ ساری رات آپ کی چوکھٹ پر گزارتا ہوں اگر شادی کر لی تو بیوی بچوں میں مصروف ہو جاؤں گا تو پھر کیسے یہ چوکھٹ نصیب ہو گی؟ دوسری سارا دن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے قرآن سیکھتا ہوں۔ میرے شب و روز اس کتاب میں گزرتے ہیں جس کا نزول آپ کے سینے میں ہوا۔ آپ ﷺ کی آنکھوں میں بھی آنسو آ گئے فرمایا شادی کر و نہ محمد ﷺ چھوٹے گا اور نہ محمد ﷺ کا قرآن چھوٹے گا۔ آپ ﷺ نے سند دے دی۔ حضور ﷺ نے تو یہ شوق پیدا کیا۔ میری آپ سے گذارش ہے کہ قرآن سیکھو میں اب بھی الحمد اللہ اللہ پاک قبول کرے ہفتے میں قرآن پاک ختم کر لیتا ہوں۔

ایک سید صاحب اعتکاف بیٹھے تھے مجھے پیغام بھیجا کہ مجھے ملنے کے لئے آئیں۔ میں دیہات میں ان سے ملنے گیا۔ مجھ سے کہنے لگے آپ دعا کریں میں پہلے کی طرح قرآن پڑھنا شروع کر دوں۔ اس دفعہ اس طرح تلاوت نہیں ہو سکی میں نے کہا اس طرح اس طرح کا کیا مطلب؟ کہنے لگے پچھلی دفعہ بس 20۔ مرتبہ قرآن پاک پڑھا اس مرتبہ صرف 18۔ بار پڑھ سکا ہوں۔ میں نے کہا قرآن پاک تو تین

دن میں ختم کرنا چاہئے آپ کیسے ختم کر لیتے ہیں؟ انہوں نے کہا سیداں دا حساب الگ اے۔
حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ کا ارشاد ہے کہ مجھ سے عمار نے پوچھا زندگی میں سب سے مزیدار بات کیا ہے؟ میں نے کہا سارا دن حضور ﷺ کے ساتھ رہنا، مسواک اٹھانا، جوتے سینے کے ساتھ لگانا، آپ کا عصا مبارک اٹھانا، آپ کے لئے چادر بچھانا تاکہ حضور آرام کریں اور کیا یہ میری خوش قسمتی نہیں کہ میں آپ ﷺ کو قرآن سناتا ہوں۔ آپ ﷺ کے وصال کے وقت آپ ﷺ نے ابن مسعود ؓ سے کہا کہ سورۃ نساء سناؤ۔ میری خوش قسمتی ہے کہ حضور سن رہے تھے اور رو رہے تھے۔

عشق کی آگ پیدا کرو!

حضور کی اطاعت کرو!

قرآن پاک پڑھو!

ذکر اللہ کا

درود مصطفیٰ کا

تلاوت قرآن پاک کی

ان تینوں سے تعلق مضبوط کرو۔

داتا علی ہجویری کشف المحجوب میں لکھتے ہیں:

''جو شخص ان تینوں سے اپنا تعلق مضبوط کر لیتا ہے اللہ کی رحمتیں اسے اپنی بانہوں پر اٹھا لے گی''۔

پرانے زمانے میں میرے والد صاحب نے ایک تھیلا رکھا ہوا تھا، کچھ پیوند لگے ہوئے تھے۔ اللہ کا شکر ہے کہ اس نے غربت کی زندگی بھی دی اور اس میں بھی اپنا شکر ادا کرنے کی توفیق بخشی۔ میں نے یہ والد صاحب سے کہا کہ ایک بریف کیس پیش کروں تو کہنے لگے کہ نہیں 'اے تھیلا ہی ٹھیک اے' فرمانے لگے میرے والد صاحب بھی تھیلا ہی رکھتے تھے۔ میں نے کہا والد صاحب اگر اجازت ہو تو دیکھ لوں اس کے اندر کیا ہے؟ میں نے تھیلا کھول کر اندر دیکھا تو روزہ کھولنے کے لئے تین کھجوریں، دلائل الخیرات اور قرآن مجید۔ کہا ان کھجوروں سے روزہ افطار کرتا ہوں، قرآن مجید پڑھتا ہوں اور دلائل الخیرات سے درود پڑھتا ہوں۔ موت کے وقت بچوں کو بلایا فرمانے لگے میری روح پاؤں سے گھٹنوں تک آ گئی ہے تم درود پڑھو۔ میں یٰسین پڑھتا ہوں۔ انہوں نے یٰسین، سورۃ المزمل اور کلمے پڑھے اور بڑے بیٹے کو کہا کہ تم گواہ رہنا میں نے تمام کلمے پڑھے ہیں میں اللہ کو مانتا ہوں اور کہا کہ گھر میں چراغ نہ بجھنے پائے۔ میں نے کہا کیا مطلب کون سا چراغ؟ کہنے لگے وہ سید سید نہیں جو اپنا پورا دن گزار دے اور وہ ہزار دفعہ درود شریف نہ پڑھے، ذکر نہ کرے، چھ سپارے قرآن کے نہ پڑھے۔ جس کی زندگی ذکر میں نہ گزرے۔

وہ مسلمان مسلمان نہیں ہے، جس کی بیعت حضور ﷺ کے ساتھ نہیں ہے۔ قرآن مجید نے کہا کہ اس بیعت کو نہ توڑو۔ راہ ہدایت پر قائم رہنے کا عزم کرو اور اپنے اس دین کی حفاظت کرو یہ سب آج کی رات سے کرنا سیکھو۔ یہ دیکھو کہ بحیثیت مسلمان زندگی کیسی گزرتی ہے؟ زندگی روزانہ چیک کرتے رہو۔ دعا کرتے وقت اپنے اندر کے انسان کو بیدار کر کے معافی مانگو کہ میں اپنا عہد زندہ رکھوں گا۔ حضور کا بن کر رہوں گا۔ اگر مسلمان اس میثاق کی حفاظت کا عہد کرتے ہیں تو مسلمانوں کا کوئی بال بھی بیکا نہیں کر سکتا، تو مسلمانوں کا کوئی بال بیکا نہیں کر سکتا۔ یہ جملے دو دفعہ اس لئے کہے کہ ایک مرتبہ چھ صحابہ کو آپ ﷺ نے جہاد پر بھیجا۔ جن میں سے پانچ شہید ہو گئے۔ میں نے یہ طبقات ابن سعد میں پڑھا اور ابھی ایک صحابی کی سانس باقی تھیں، گھسٹ گھسٹ کر حضور کے قدموں میں تشریف لائے۔ چہرہ مبارک حضور کے قدموں میں رکھ دیا، کلمہ پڑھا اور کہا کہ اے اللہ! تیرے بغیر کوئی معبود نہیں اور تیرا شکر ہے کہ میری جان حضور کے قدموں پہ نکلی۔

زندگی میں امنگ ترنگ پیدا کروں کہ ساری زندگی اس طرح گزرے جیسے ہمارا چہرہ حضور کے قدموں پر ہے۔ غلامی کی زندگی بسر کرو۔

داتا صاحب صرف تھیلے میں قرآن لے کر لاہور تشریف لائے۔ لاہور میں ان کا کوئی واقف نہ تھا لیکن ہزاروں لوگ ان کے نفوس قدسیہ سے اسلام میں داخل ہوئے۔ جس وقت بم دھماکہ ہوا میں انگلینڈ میں تھا مجھے وہاں لوگ کہنے لگے لگتا ہے کہ اب وہاں کوئی جمعہ پڑھنے نہیں آئے گا، لیکن خدا کی شان دیکھو اس نے لوگوں کی تعداد میں چار گنا اضافہ کر دیا اور اس نے چار گنا زیادہ لوگ داتا کے آستانے پہ بھیجے۔ میرے داتا کے آستانے کی یہ بات ہے تو محمد ﷺ کے آستانے کا کیا حال ہوگا؟ بموں سے بندوں کو بھونکا یا جا سکتا ہے لیکن ایمان بموں سے نہیں پھٹتا۔ خودکش حملہ ایمان کو اڑا نہیں سکتا۔ اگر آگ جلانے والی ہوتی تو منصور جل جاتا ان کی خاک سے آواز آتی ہے کہ ہم حضور کو ماننے والے

ہیں۔ میری کوئی سیاسی جماعت نہیں ہے، مذہبی تقریر کرتا ہوں کوئی فرقہ واریت بھی نہیں کر رہا۔ جو جہاں بھی بیٹھا ہے بس یہی کہوں گا کہ بندے اللہ کے ہو، نوکر مصطفیٰ کے اور ماننے والے قرآن کے ہو۔ موت کا تو جو وقت متعین ہے اسی وقت آنی ہے۔ مجھے میاں صاحب نے کہا کہ شاہ جی! انگلینڈ چلے جائیں اور وہاں جا کر کچھ دیر رہیں یہاں تو بم دھماکے ہوتے رہتے ہیں میں نے کہا کہ اگر بچنا ہوتا تو حسینؓ موت سے بچ جاتے، موت نے تو جہاں آنا ہے وہاں آ کر ہی رہنا ہے، موت سے نہ ڈریں۔ ہم محمد مصطفیٰ کے دین کے چوکیدار ہیں۔ مر جائیں گے لیکن محمد مصطفیٰ کے دین پر کوئی آنچ نہ آنے دیں گے۔ اللہ سے تعلق کو جوڑو، حضور سے تعلق جوڑو، صحابہ سے تعلق جوڑو، آلِ محمد ﷺ سے تعلق جوڑو۔ آج پیوند کی رات ہے جس کا تعلق جدھر کٹا ہوا ہے اس تعلق کو جوڑنے کی رات ہے۔ جس بیٹے کا تعلق باپ سے ٹوٹا ہوا ہے اسے چاہئے کہ جا کر اپنے باپ کو منائے اور باپ کو بھی چاہئے کہ شفقت کا سایہ اس کے سر پر رکھے۔

کتنا بڑا معجزہ ہے یہ کہ آفتاب حضور کی انگلی پہ پلٹا۔ لوگوں نے کہا کہ کوئی عملی معجزہ دکھاؤ تو کیا یہ معجزہ نہیں کہ جس شہر میں آپ ﷺ داخل ہوئے آپ ﷺ نے ٹوٹے ہوئے دلوں کو جوڑا، رشتہ داروں میں محبتیں ڈالیں، بھائیوں میں محبتیں ڈالیں۔ قرآن پاک میں ارشاد ہے کہ:

"اور تم اللہ کی نعمت سے بھائی بھائی ہو گئے"۔

راضی کرو سب کو اور معاف کر دو، یہ بہت بڑا کام ہے ایک تجربہ بتاتا ہوں۔

یہاں مسجد میں دو نفل نماز پڑھو پھر گھر جا کر جس سے ناراض ہو اس کو مناؤ تم خود دیکھو گے جو عبادت دل جوڑ کر کرنے کا مزا ہے وہ ٹوٹے ہوئے دلوں کی عنایت میں نہیں ہے جو دل جوڑ کر اللہ کے سامنے جاتا ہے اللہ تعالیٰ کہتا ہے آ جا میں نے تجھ کو اپنے ساتھ جوڑ لیا۔ اللہ کی ذات سے ڈرو۔ قیامت کے دن اگر دوزخ میں چلے گئے تو کیا کرو گے؟ کوشش کرو کہ اللہ آخرت ٹھیک کرے۔ فکرِ آخرت پیدا کرو۔

جنید بغدادی سے پوچھا گیا سوکھا (آسان) حساب کس کا ہوتا ہے۔ جنید بغدادی کہتے ہیں یہ بات حسن بصری سے پوچھی گئی حسن بصری نے کہا کہ مولا علی سے پوچھی گئی مولا علی نے کہا میں نے یہ بات حضور ﷺ سے پوچھی تھی حضور ﷺ نے فرمایا: "جو ذکر کرتا ہے، درود پڑھتا ہے ور قرآن پاک کی تلاوت کرتا ہے، اللہ قیامت کے دن اس کا حساب آسان فرما دے گا"۔

برادران!

ان جذبوں کے ساتھ خدا سے مانگنا!

امام زین العابدین نے شبِ قدر میں دعا کرتے ہوئے کہا کہ:

"اے اللہ! تو نے اپنے نبی کے ذریعے ساری اچھی باتیں سکھائیں۔ اے اللہ! مجھے پتا ہے کہ گناہ کرنا اچھی بات نہیں۔ اپنے نفس کی شکایت کرتا ہوں میں بندہ ہوں تیرا، تو مجھ سے اچھی اچھی باتیں کروا لے اور مجھے معاف فرما دے"۔

میں دعا کرتے وقت امام زین العابدین کی اس دعا کو اپنی دعا کا حصہ بناؤں گا کہ اے اللہ گناہ کرنا بری بات ہے تو بخش کر اچھی بات کر دے۔ اللہ بندگی نصیب کرے، اعمال اچھے کرے، اس رات کا فیض نصیب فرما دے۔

شاہ جی کے خطاب کے بعد صلوٰۃ و تسبیح کی نماز پڑھائی گئی۔ شاہ جی کے پیچھے نماز پڑھنے کا عجب لطف ہے وہ تو شاہ جی کے پیچھے نماز پڑھنے والے ہی بتا سکتے ہیں۔

صلوٰۃ و تسبیح کے بعد سرکارِ دوعالم، سرورِ کائنات ﷺ کی بارگاہ میں درود و سلام کا نذرانہ پیش کیا گیا۔ درود و سلام کا نذرانہ پیش کرنے کے بعد شاہ جی نے ذکر کروایا۔ ذکر کرتے وقت ہال کی لائٹیں بند کر دی گئیں تاکہ ہر کوئی اپنے رب کو حاضر و ناظر جان کر پوری دلجمعی سے خدا کو اپنے دل کی دھڑکن میں محسوس کرے اور اس کے دل کی دھڑکن کی صدا ہی اللہ، اللہ ہو۔ پوری مسجد میں ایک دم خاموشی چھا گئی ایسے لگ رہا تھا جیسے ہر ایک شخص اپنے اللہ کی یاد میں کھو گیا ہو۔

اس کے بعد خدا سے مانگنے کا وقت آیا۔ شاہ جی کچھ اس انداز میں دعا مانگتے ہیں کہ ایسا لگتا ہے جیسے شاہ جی صرف میرے ہی لئے دعا مانگ رہے ہیں، کہنے کا مطلب ہے کہ شاہ جی ہر ایک کے دل کی دعا مانگ رہے ہیں۔ ان دعاؤں کو بیان کرنا تو بہت مشکل ہے۔ شاہ جی کے الفاظوں میں وہ روانی تھی جیسے سمندر کا بہتا ہوا پانی۔ شاہ جی نے مسجد میں آئے ہوئے ہزاروں لوگوں کی آنکھوں کو اشک بار کیا اور خود بھی بہت روئے۔ یہ اللہ کو منانے کا انداز بھی کوئی شاہ جی ہی سے سیکھے۔ شاہ جی نے اللہ سے اس مبارک رات میں اس انداز سے مغفرت کی دعا مانگی کہ محسوس ہوا جیسے اللہ تعالیٰ نے ہمیں بخش دیا ہو۔ اللہ تعالیٰ تو بہت رحمان اور رحیم ہے اگر وہ ہمیں نہیں بخشے گا تو ہم کس کے در پر جا کر معافی مانگیں گے۔ بس اسی سوچ کو دل میں رکھ کر اللہ سے رو رو کر معافی مانگی اس کے پیارے محبوب ﷺ کے وسیلے دے دے کر مغفرت کی دعا مانگی۔

آخر میں یہ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں شاہ جی کے مبارک سائے میں زندہ رکھے۔ شاہ جی کو ہماری عمر لگ جائے اور ہمیں یہ بھی چاہئے کہ شاہ جی کے مرید ہونے کے ناطے، ان سے محبت کا اظہار کرتے ہوئے ہم ان کی کہی ہوئی باتوں پر عمل کریں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں سمجھنے اور عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے!

آمین۔۔۔۔۔۔۔

☆☆☆

- تعلیمات اسلامیہ سے اپنی زیست میں فہم و دانش کی بہار لانے کیلئے
- زندگی کو عشق رسالت مآب ﷺ کے نور سے منور کرنے کیلئے
- باطنی صفائی کے حصول اور تقویٰ و پرہیزگاری کی نعمتوں سے سرفراز ہونے کیلئے
- اخلاقی رزائل اور روحانی بیماریاں دور کرنے کیلئے

{ شاہ جی کی تحریروں کے ساتھ ساتھ آپ کا سلسلۂ گفتگو }

سلسلہ وار درس حدیث **اجالے حدیث کے**	سلسلہ وار درس قرآن **اجالے قرآن کے**

"محراب"

سماعت فرمائیے

دلوں کی تالیف	اخلاص کی برکات
معاملات میں حسن	تدبر، اہمیت و فضیلت
جلدبازی کے نقصانات	حج
قرآن اور اہل بیت	بلند نظری اور ایثار
باوقار زندگی کا تصور	عبادت کے احکام اور آداب
مدارات اور دل نوازی	قوی مومن اور اس کی زندگی کا حسن
فکر آخرت	خوف اور احساس ندامت
دینی تربیت کی ٹھوس بنیادیں	پرسکون عائلی زندگی کی بنیادیں
اسباب جرائم اور نجات کی راہ	ذکر کی فضیلت اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ
لفظ برکت کے اطلاقات	حصول برکت کے ذرائع
عملی روحانی زندگی سیرت طیبہ کی روشنی میں	استغفار کی برکات
عید میلاد النبی ﷺ	لاپرواہیوں کا تدارک
تقریب آغاز دورہ حدیث۔ ایک اہم خطاب	پیغام حسین کا نقش

سی ڈیز اور کتب حاصل کرنے کیلئے رابطہ:
ادارہ تعلیمات اسلامیہ شیلمان سرسید سیکٹر III راولپنڈی 0300-5141965
اتفاق اسلامک سنٹر H بلاک ماڈل ٹاؤن لاہور 042-35838038
www.daleelerah.info Email: alme58@gmail.com